نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری

شیخ الاسلام قطب العالم

حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تعارف اور خدمات

مقالہ نگار

سید طارق شاہ

فاضل 2022
جامعہ دارالعلوم عیدگاہ کبیر والا

کلیۃ الفنون 23-2022
جامعۃ الحسن ساہیوال

نگرانِ اعلیٰ
حضرت مولانا مفتی ساجد الرحیم صاحب دامت برکاتہم

نگرانِ مقالہ
حضرت مولانا محمد اسامہ طارق صاحب دامت برکاتہم

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
1	انتساب	3	22	جدہ سے روانگی	12
2	اظہارِ تشکر	4	23	جیزہ میں قید تنہائی	13
3	پیش لفظ	5	24	مالٹا روانگی	13
4	ولادت باسعادت	6	25	جہاز میں کھانے کا انتظام	13
5	سلسلہ نسب	6	26	جہاز کی روانگی	13
6	تعلیم وتربیت وایّامِ طفولیت	6	27	بحری سفر میں موت کا انتظار	14
7	دیوبند میں داخلہ	7	28	مالٹا پہنچنا	14
8	اساتذہ	7	29	مالٹا کی جیل	14
9	ہندوستان سے مکہ مکرمہ کا سفر	7	30	دکانیں	15
10	حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضری	8	31	شعبہ نگرانی	15
11	مدینہ منوّرہ کے لیے روانگی	8	32	شفاء خانہ	15
12	مدینہ میں درس وتدریس کا سلسلہ	8	33	رول نمبر	15
13	دورِ ابتلاء	9	34	اسارت گاہ	15
14	نفوس کا دورِ ابتلاء	9	35	مالٹا جیل میں داخلہ	16
15	تعمیرِ مکان میں سنت نبوی ﷺ کی اتباع	10	36	حضرت مدنیؒ کی جیل میں مشغولیت	16
16	ازواج واولاد	10	37	اسارتِ مالٹا سے رہائی	17
17	تصوف	10	38	سیدی بشر سے سوئز کو روانگی	17
18	تحریکِ آزادی میں خدمات	11	39	سوئز سے بمبئی کو روانگی	17
19	مدینہ منوّرہ میں سیاسی ذمہ داری	11	40	دیوبند کے لیے روانگی	18

20	حضرت مدنی رحمہ اللہ کی گرفتاری	12	41	اسارت کے بعد اشتغال	18
21	جدہ میں قیام	12	42	تحریکِ ترکِ موالات	18
نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
43	حضرت مدنی رحمہ اللہ کا جج کے سامنے بیان	19	53	انکساری	25
44	دارالعلوم میں تقرری	20	54	عزیمت یا شدت؟	25
45	شرائط	20	55	سیاسی خدمات	25
46	برکات کا نزول	21	56	مدنی فارمولا	26
47	خوش مزاجی	21	57	پورا ہند ہمارا پاکستان ہے	28
48	درسِ حدیث کی پرکشش شخصیت	21	58	فارمولا کی تشریح	28
49	درسِ بخاری کی جھلکیاں	22	59	فارمولا کے فوائد	29
50	اظہارِ شفقت	22	60	تصانیف	29
51	درسِ مدنی کی چند خصوصیات	23	61	وفاتِ حسرت آیات	30
52	خصائص اور سیرت پر ایک نظر	24	62	کتابیات	31

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

اس عظیم ہستی کے نام جسے اللہ عزوجل نے اپنے بعد سب سے اعلیٰ و ارفع، افضل و اشرف، اکمل اور مکمل بنایا، جسے اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین، امام الانبیاء اور خاتم النبیین بنایا، حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے بابا اور حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے نانا۔

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام۔

اور

پیارے والدین و اساتذہ کرام کے نام جن کی پر خلوص دعائیں دن رات بندہ کے ہمراہ رہتی ہیں۔

اظہار تشکر

حمد وثناء اور شکر کے لائق صرف رب لم یزل، رازقِ کل، معبود انس وجن، ذوالجلالِ والاکرام ہے، تمام تعریفیں اس خالق، رازق اور علام الغیوب ذات کے لیے ہیں، جس نے مجھ نکمے کو اپنے اکابر میں سے "شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ" کے حالات پر چند سُطور تحریر کرنے کا موقع عنایت فرمایا۔فلِلّٰہ الحمدُ و الشکر۔

اس کے بعد اپنے والدِ محترم اور والدہ مرحومہ کا بے حد ممنون ومشکور ہوں، جن کی بے پناہ محبتوں، شفقتوں اور الفتوں کے نتیجہ میں آج یہ سعادت حاصل ہو رہی ہیں۔ میرے پاس ان کا شکریہ ادا کرنے کے لیے الفاظ نہیں ہیں مگر یہ کہ:

﴿رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾

بعد ازاں میں بالخصوص شکریہ ادا کرتا ہوں اس رجال ساز شخصیت کا جو ظلمت شب میں میرے لیے روشن چراغ ہے، جن کی شبانہ روز محنتوں، کاوشوں اور شفقتوں نے مجھ جیسے سے کئی ناکارہ افراد کو کار آمد بنادیا۔ میری مراد استاذ العلماء ولی کامل حضرت مولانا مفتی ساجد الرحیم صاحب اطال اللہ بقائہ بالصحۃ و العافیۃ ہیں، اس کے ساتھ ساتھ میں نہایت مشکور ہوں، حضرت مولانا سیف اللہ خالد صاحب دامت برکاتہم (ناظمِ اعلیٰ جامعہ اسلامیہ امدادیہ چنیوٹ) اور اپنے دیگر اساتذہ کرام مولانا مفتی محمد ادریس صاحب حفظہ اللہ، مولانا مفتی محمد عثمان غنی صاحب حفظہ اللہ، مولانا مفتی عبد الماجد عارفی صاحب حفظہ اللہ مولانا اسامہ طارق صاحب حفظہ اللہ، مولانا قاسم صدیق صاحب حفظہ اللہ کا اور اس کے ساتھ حضرت مولانا عبد القدوس صاحب حفظہ اللہ (مدرس دارالعلوم عیدگاہ کبیر والا خانیوال)، قاری حفیظ اللہ صاحب حفظہ اللہ (جامعہ اسلامیہ امدادیہ چنیوٹ) کا کہ یہ سب در حقیقت انہی کی محنتوں، شفقتوں اور راہنمائی کا ثمرہ ہے اور اپنے چچا زاد بھائی مولانا سید ممتاز شاہ صاحب کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے بھرپور راہنمائی اور تعاون کیا۔ فَجَزَاهُمُ اللهُ خَيْرًا كَثِيْرًا۔

(پیش لفظ)

موجودہ زمانے کی مصروف زندگی میں مطالعہ کی سہولت کے لیے ضروری ہے کہ کسی بھی مختلف الجہات اور جامع شخصیات پر بہت ضخیم تالیفات کی بجائے ،ان کی ایک ایک جہت اور الگ الگ حیثیت پر ایسی کتابیں اور رسالے مرتب کیے جائیں ، جنہیں شائقین اپنے ذوق کے مطابق،اپنی مصروف زندگی سے تھوڑا تھوڑا وقت نکال کر ہفتے یا عشرے میں پڑھ ڈالیں،جو اپنی ضخامت میں حدِ اوسط سے نہ بڑھیں،اس وجہ سے بندہ نے بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اساتذہ کے محنتوں ،شفقتوں اور محبتوں کی برکت سے مختلف کتب کے مطالعہ کے بعد چند صفحات پر مشتمل مقالہ ترتیب دیا ہے،جو حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے تعارف اور سیاسی جدوجہد کے مختصر تذکرے پر مشتمل ہے۔

مولوی طارق شاہ
شریک کلیۃ الفنون
جامعۃ الحسن ساہیوال
12 شعبان المعظم 1444ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سیّد الاولین والآخرین محمدٍ خاتم النبیین وعلی آلہٖ و

صحبہٖ أجمعین:

سرزمین ہند پر جتنی اہم اور تاریخ ساز شخصیات رونما ہوئیں، ان میں علماءِ ہند سرِ فہرست ہیں، انہیں میں امام السادات حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ایک گھرانہ علم و تقویٰ میں اپنی پہچان رکھتا تھا، لیکن خالقِ کائنات نے اس خاندان پر مزید احسان یہ فرمایا کہ اٹھارویں صدی کے آخر میں اس گھرانے میں ایک نہایت سعادت مند و نیک بخت بچے کی پیدائش ہوئی، جس کا نام حسین احمد تجویز ہوا، جسے آگے چل کر دنیا نے مجاہدِ جلیل، محدثِ کبیر، جانشینِ شیخ الہند، خلیفہ گنگوہی اور مدرسِ مسجدِ نبوی علیٰ صاحبہٖ الصلوٰۃ والتسلیمات یعنی شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے نام سے جانا، آپ اگر ایک طرف تقویٰ وطہارت میں نمایاں مقام رکھتے تھے تو دوسری جانب ارشاد و طریقت میں شانِ مجددیت کے حامل تھے۔ ایک طرف دریائے علم و عمل کے شناور تھے تو دوسری جانب آپ میدانِ سیاست کے شہسوار بھی تھے، نیز ایک طرف اتباعِ سنت، اخلاقِ نبوّت، سیرتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور اسوۂ مشائخ کا سرچشمہ تھے، تو دوسری جانب جذباتِ حریت، ترقیِ ملت، حبِ وطن اور ہمدردیِ خلقِ خدا جیسے عمدہ خصائص و شمائل سے سرشار تھے، اس لیے کہ آپ کا قلب حاملِ شریعت اور عمل تفسیرِ شریعت تھا، ذکر اللہ آپ کی روح اور اتباعِ سنت آپ کی جان، ایثار آپ کی طبیعت، حلم وبردباری آپ کی جبلت، اور جود وعطاء آپ کی خصلت تھی، مختصر یہ کہ آپ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔

ولادت باسعادت:

آپ رحمہ اللہ کی ولادت 19 شوال 1296ھ مطابق 6 اکتوبر 1879ء، 11 بجے شب بروز منگل برج قمر، بمقام قصبہ بانگرمؤ، ضلع اناؤ میں ہوئی، آبائی وطن موضع الہ داد پور، تحصیل ٹانڈہ، ضلع فیض آباد اور تاریخی نام چراغ محمد تھا۔

(علماءِ ہند کا شاندار ماضی: 5/554، مکتبہ رشیدیہ کراچی)

سلسلہ نسب

آپ رحمہ اللہ حسینی سید ہیں، شجرہ نسب کچھ اس طرح ہے: حسین احمد بن سید حبیب اللہ بن سید پیر علی بن سید جہانگیر بخش بن شاہ نواز اشرف بن شاہ مدن بن شاہ محمد ماہ شاہی بن شاہ اخیر اللہ بن شاہ صفت اللہ بن شاہ محب اللہ بن شاہ محمود بن لدھن بن شاہ قلندر بن شاہ منوّر بن شاہ راجو بن شاہ عبد الواحد بن شاہ محمد زاہدی بن شاہ نور الحق رحمۃ اللہ علیہم۔

شاہ نور الحق رحمہ اللہ وہ مورثِ اعلیٰ ہیں جو کہ اس سرزمین (الہ داد پور قصبہ ٹانڈہ) میں تشریف لاکر اقامت گزیں ہوئے۔

(نقشِ حیات: 1/ 16، دارالاشاعت کراچی)

تعلیم وتربیت اور ایّامِ طفولیت:

حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی ابتدائی تعلیم کے مراحل اور مدینہ منوّرہ میں قیام کے احوالِ زندگی حضرت رحمہ اللہ ہی کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

"جب میں ہوش وحواس میں آیا تو اپنے آپ کو ٹانڈہ میں پایا، بانگر مؤ بالکل یاد نہیں، والدین مرحومین کو اولاد کی تعلیم کا بہت خیال ہوتا تھا جب بچہ چار برس کا ہو جاتا تو اس کو پاس بٹھا کر پڑھاتے، نہ پڑھنے اور نہ یاد کرنے اور کھیلنے پر خوب مارتے، اس لیے مجھ کو کھیلنے کا موقع صرف چار برس تک نصیب ہوا، اس کے بعد والدہ مرحومہ کے پاس قاعدہ بغدادی اور سیپارہ پڑھتا تھا، صبح ساڑھے نو بجے تک یہ قید، اس کے بعد کھانا کھا کر اسکول جاتا۔ اسکول الہٰ داد پور سے ایک میل یا اس سے کچھ فاصلہ پر تھا۔ الحاصل آٹھ برس تک اپنے وطن میں پانچ سیپارہ تک والدہ مرحومہ سے پڑھا، اس کے بعد باقی قرآن مجید والد صاحب رحمہ اللہ سے پڑھا، اس کے بعد آمدنامہ، دستورالصبیاں، گلستاں کا کچھ حصہ گھر میں پڑھنے کا موقع ملا اور اسکول میں کلاس دوئم تک پڑھا، جس میں حساب جبر ومقابلہ، مساحت، اقلیدس، مقالہ اولیٰ جغرافیہ، تاریخ، املاء، اردو لکھنا اور پڑھنا شامل ہیں۔" (نقشِ حیات: 1/ 52،53 دارالاشاعت کراچی)

دیوبند میں داخلہ:

والد صاحب مرحوم نے طے کر لیا تھا کہ اس کو یہاں نہ رکھا جائے تو منشی فیروز الدین بٹالوی صاحب کے ساتھ مجھے دیوبند بھیج دیا، چنانچہ اوائل صفر 1309ھ میں، میں دیوبند پہنچا اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے مکان کے قریب والے کمرہ میں رہنے لگا، یہاں پہنچنے کے بعد گلستان اور میزان شروع کی، بڑے بھائی صاحب رحمہ اللہ نے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے درخواست کی کہ آپ تبرگا دونوں کتابیں شروع کرادیں، مجمع میں اور بھی بہت سے علماء موجود تھے لیکن حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ سے فرمایا کہ آپ شروع کرادیں، چنانچہ انہوں نے شروع کرادیں، تیرھواں سال عمر کا شروع ہو چکا تھا مگر جسم اس قدر دبلا اور پستہ تھا کہ کوئی دیکھنے والا یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ اس کی عمر گیارہ سال سے زیادہ ہو گی، 1309ھ سے 1316ھ تک دیوبند میں قیام رہا اور کل 67 کتابیں مندرجہ ذیل اساتذہ کے پاس پڑھیں وغیرہ وغیرہ۔

اساتذہ:

(1) حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس اللہ سرہ العزیز (صحیح البخاری شریف، جامع الترمذی، ابوداؤد شریف، مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد، (وغیرہ) (2) مولانا ذوالفقار علی صاحب رحمہ اللہ (والد ماجد شیخ الہند رحمہ اللہ سے) فصولِ اکبری (3) مولانا عبدالعلی صاحب رحمہ اللہ (4) مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ (تلخیص المفتاح) (5) مولانا عبدالحکیم محمد حسن صاحب رحمہ اللہ (جلالین شریف، ہدایہ اولین)
(6) مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ (7) مولانا غلام رسول صاحب رحمہ اللہ (شمائل ترمذی، نورالانوار، حسامی)
(8) مولانا منفعت علی صاحب رحمہ اللہ (9) مولانا حافظ احمد صاحب رحمہ اللہ (شرح ملا جامی بحث اسم) (10) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ (11) بڑے بھائی صاحب مولانا محمد صدیق صاحب رحمہ اللہ

مختلف علوم وفنون ساڑھے چھ برس میں پڑھنے کا شرف حاصل ہوا، یہ کتابیں عموماً درسِ نظامی سے تعلق رکھتی ہیں۔
(نقشِ حیات: 1/ 55،56 دارالاشاعت کراچی)

ہندوستان سے مکہ مکرّمہ کا سفر:

1316ھ میں جبکہ میں اکثر کتبِ درسیہ سے فارغ ہو چکا تھا والد صاحب رحمہ اللہ کا سفر حجاز وعرب مکمل ہو گیا، مزروعہ زمین جس قدر تھی "الہٰ داد پور اور جڑوان پور" میں اس کو ٹانڈہ کے ایک رئیس نے خرید لیا اور سکنائی یعنی رہائش والی زمین والد صاحب نے اس وجہ سے فروخت

نہ کی کہ ممکن ہے کہ اولاد میں سے کوئی واپس آنا چاہے (اولاد کا ہجرت کا ارادہ نہ تھا) تو کم از کم رہائش کے لیے توٹھکانہ میسر ہو، مجموعہ تقریباً پانچ ہزار روپیہ ہو گیا تھا، ضروریاتِ سفر لباس وغیرہ مکمل کر کے والد صاحب نے اعلان کیا کہ شعبان المعظم 1316ھ میں روانگی ہو گی، میں نے عرض کیا کہ مجھے ایک سال اور موقع دیا جائے تو حضرت والد صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مدینہ منوّرہ میں چل کر پڑھ لینا، اور پھر بارہ افراد پر مشتمل ایک مختصر سا قافلہ روانہ ہوا جس میں، والدین مرحومین، بھائی صدیق مع زوجہ وپسر وحید احمد، بھائی سید احمد صاحب مرحوم مع زوجہ، حسین احمد مع زوجہ، عزیزم محمود احمد سلمہ، ہمشیرہ عزیزہ ریاض فاطمہ مرحومہ، عزیزم جمیل احمد مرحوم، اور قافلہ بالآخر ذیقعدہ 24یا25تاریخ کو مکہ معظمہ کی سرزمین پر اترا، سید ابو بکر رشیدی مرحوم کو مطوف بنایا گیا تھا، ان کا ایک بنگالی کارندہ تھا اور اس کے مکان محلہ جیاد میں قیام کیا اور مختلف قسم کی تکالیف پر صبر کیا گیا۔

حضرت حاجی امداداللہ مکی کی خدمت میں حاضری:

طوافِ قدوم سے فراغت کے بعد قطب عالم حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل کیا اور پھر روزانہ حاضر ہوتے رہے، درمیان میں مجھ کو چند روز بخار بھی آیا، جس کی وجہ سے حاضری میں کمی آئی.

مدینہ کے لیے روانگی:

عمرہ کے مناسک ادا کرنے کے بعد غالباً25یا26ذی الحجہ 1316ھ کو مکہ سے مدینہ منوّرہ کے لیے روانگی ہوئی اور بارہ دن بعد 1317ھ کی ابتدائی تاریخوں میں مدینہ منوّرہ میں شرفِ حضوری حاصل ہوا، حرمِ نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے بابُ النساء کے قریب زقاق البدور کے کنارہ پر ایک مکان کرایہ پر حاصل کیا جو کہ رہائش اور پانی کے حوالہ سے اس قافلہ کے لیے ناکافی تھا، الغرض زقاق البدور کی یہ دشواریاں دیکھ کر دوسرے مکان کو لینے اور پہلے عقدِ اجارہ کو فسخ کرنے کا ارادہ کیا گیا، مدینہ میں مکان ماہانہ کرایہ پر نہیں ملتے بلکہ سالانہ کرایہ پر ملتے ہیں، البتہ حجاج کو یومیہ کے حساب سے یا تا قیام قافلہ کرایہ پر دیئے جاتے تھے جو کہ بہت گراں پڑتا ہے، ماہِ محرم میں مکانات کرایہ پر اٹھائے جاتے حارۃ الاغاوات میں ایک وسیع مکان لیا گیا اور اس میں قیام کیا گیا، غالباً وہ مکان 120 پر لیا گیا تھا، حضرت والد صاحب مرحوم نے مدینہ منوّرہ پہنچ کر جو مقدار نقود کی مصارف سے بچی تھی حسبِ حصص شرعیہ ہم لوگوں پر تقسیم کر دی، اور فرمایا کہ میں نے تو ہجرت کی نیت کی ہے، اس لیے میں تادمِ زیست یہاں ہی رہوں گا، تم لوگوں کو اختیار ہے کہ یہاں رہو یا ہندوستان چلے جاؤ، ہم لوگوں نے ہجرت کی نیت نہیں کی تھی، کیونکہ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز نے اور پھر قطبِ عالم حضرت حاجی امداداللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز نے ہجرت کی نیت کرنے سے منع فرمایا تھا اور یہ ارشاد فرمایا تھا کہ ہجرت کرنے والوں پر امتحانات شدید ہوتے ہیں جس میں اکثر لوگ پھسل جاتے ہیں اور ہجرت توڑ کر اوطان کو واپس ہو جاتے ہیں اور گنہگار ہوتے ہیں، صرف قیام کی نیت کرنا، اگر احوال سازگار ہوئے تو قیام کرنا ورنہ جب جی چاہے واپس ہو جانا. (نقش حیات: 1/60تا66، دارالاشاعت کراچی)

مدینہ منوّرہ میں درس وتدریس کا سلسلہ:

اواخر شعبان 1316ھ جبکہ ہم تینوں بھائی دیوبند سے روانہ ہو رہے تھے تو خود حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ اسٹیشن تک پیدل ساتھ تشریف لائے اور فرمایا کہ درس وتدریس کا سلسلہ ہر گز نہ چھوڑنا، چاہے ایک یا دو طالب علم ہی کیوں نہ ہوں، مدینہ منوّرہ پہنچنے کے بعد بعض

ہندوستانی اور عرب بعض کتب کی درس و تدریس کے خواستگار ہوئے، اگرچہ عربی زبان میں کتابیں پڑھنے کا موقع ملا تھا مگر بولنے کی مشق نہ تھی، لیکن حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی نصیحت تھی اس لیے ایک ایک دو دو طالب علموں کو صرف، نحو، فقہ، وغیرہ پڑھانا نہایت مفید ثابت ہوا، 1318ھ شوال تک یہ سلسلہ ابتدائی کتب کا چلتا رہا اور حلقہ درس و تدریس میں کوئی امتیازی شان پیدا نہ ہوئی، اس لیے کسی کی تنقیدی نظر نہیں پڑی اور یہ سلسلہ کم و بیش چودہ برس مسجدِ نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والتسلیمات میں جاری رہا اور اس دوران تین مرتبہ ہندوستان کا سفر ہوا جس میں چار سال صرف ہوئے۔ (نقشِ حیات: 1/ 69، دارالاشاعت کراچی)

دورِ ابتلاء:

1318ھ محرم میں ایک اور مکان کرایہ پر لیا جو کہ پہلے والے کی بنسبت زیادہ صاف اور وسیع تھا، سرمایہ روزانہ کے مصارف میں کم ہوتا گیا اور دکان کی آمدنی کم ہوتی گئی اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگ قرض لینے کے بعد واپسی کا نام تک نہ لیتے، اس وجہ سے بہت زیادہ سرمایہ ضائع ہو گیا اور ہم میں اتنی طاقت نہ تھی کہ عربوں سے لڑتے، اگر ایسا نہ ہوتا تو فی الجملہ آمدنی حدِ کفالت تک ضرور پوری ہوتی، مختلف تجربوں کے بعد 1318ھ کے اواخر میں یہی مناسب معلوم ہوا کہ دکان ختم کی جائے، بھائی سید احمد صاحب کو نئے آنے والے سیٹھوں کے یہاں بچوں کی تعلیم کی ملازمت مل گئی اور مجھ کو اور بڑے بھائی کو ہندوستان کا سفر پیش آیا تو ہر ایک کے پاس تقریباً ساٹھ ساٹھ روپیہ سفر کے لیے تھا اور والد صاحب نے اپنے ایک ملنے والے میمن سیٹھ سے پچاس روپیہ بطورِ قرض وصول کیا اور اس سے چاول اور دال خریدی ایک وقت کھچڑی اور ایک وقت نمکین پیچ پر تمام گھر والوں کا گزران کئی ماہ تک رہا یہ زمانہ گھر والوں پر نہایت سخت گزرا۔ (نقشِ حیات: 1/ 72، دارالاشاعت کراچی)

نفوس کا ابتلاء وامتحان:

کھانے پینے اور سکونت کے بارے میں جو کچھ کڑا اور سخت امتحان آیا اور جس طرح بتوفیقِ اللہ تعالیٰ اس کا تحمل کیا گیا اس کی مختصر سر گزشت گزر گئی، اس کے ساتھ نفوس کا ابتلا بھی عجیب و غریب گزرا، والد صاحب مرحوم کی اولاد ایک لڑکی اور ہم پانچ لڑکے جو بوقت سفر مدینہ منوّرہ زندہ تھے، اس سے پہلے دو تین لڑکیاں اور لڑکے خورد سالی میں ہی فوت ہو گئے، وہ رفیقِ سفر نہیں ہو سکے تھے، یہ چھ اولاد ہی تھی جن میں تین کی شادیاں ہندوستان میں ہو چکی تھیں، بڑے بھائی صاحبِ اولاد تھے، والد صاحب کی باقی اولاد شادی کی عمر کو نہیں پہنچی تھی، ان کا ارادہ تھا کہ مدینہ منوّرہ میں جا کر وہیں ان کی شادی کریں گے اور ان کا خیال تھا کہ عربی کی تعلیم کی وجہ سے ان کی ملازمتیں بھی باسانی ہو جائیں گی اور یہ بھی خیال تھا کہ سب اولاد پھلے پھولے گی، مگر قدرت کو یہ منظور نہ تھا، جمیل احمد مرحوم کی عمر بوقتِ وفات اکیس برس تھی، محمود احمد سلمہ 1308ھ میں ٹانڈہ میں پیدا ہوا، میں جس وقت گنگوہ شریف 1318ھ میں روانہ ہوا تو اس وقت میرے گھر میں حمل تھا جو 9 جمادی الاولیٰ 1318ھ میں پیدا ہوا تھا اور میرے سفر کے ایام میں بچی پیدا ہوئی، 1320ھ میں جب میں اور بھائی صاحب ہندوستان سے واپس آئے تو پہلے میری بچی کا انتقال ہوا اسکے بعد بڑے بھائی کے بچہ حمید احمد کا انتقال ہوا، بھائی سید احمد صاحب کے بچے ہوئے مگر سب کے سب ایامِ رضاعت میں انتقال کر گئے اور ان کی اہلیہ 1320ھ میں انتقال کر گئی، 1322ھ میں والدہ صاحبہ کا انتقال ہوا، 1324ھ میں والد صاحب نے دوسری شادی کی کچھ دن بعد ان کا بھی انتقال ہو گیا، 1326ھ میں میری پہلی اہلیہ بیمار ہونے کی وجہ سے وفات پا گئی اور اس سے ایک لڑکی زہرا پیدا ہوئی، 1329ھ کی ابتداء میں ہمشیرہ صاحبہ اللہ تعالیٰ کو پیاری ہو گئیں اور اس کی ایک لڑکی بھی انتقال کر گئی جو تقریباً چار برس کی تھی، بڑے بھائی کی تیسری زوجہ سے ایک بچہ پیدا ہوا اور کچھ عرصہ بعد فوت ہو گیا اور اس کے کچھ عرصہ بعد ان کی تیسری اہلیہ کی بھی وفات پا گئی، اہلیہ محمود احمد بیمار ہو کر راہی ملک عدم ہو گئی،

بڑے بھائی کی چوتھی اہلیہ سے ایک بچہ پیدا ہوا جو چند دنوں بعد فوت ہوگیا، اور پھر بھائی صاحب 1330ھ وفات پاگئے، پہلی اہلیہ سے جو بچی پیدا ہوئی زہرا نامی 1337ھ میں بمقام دمشق وفات پاگئی، اس طرح خاندان کے افراد کا وفیاتی سلسلہ جاری رہا، اور والد صاحب مرحوم کے ہی سامنے تقریباً32یا33نفوس مدینہ منوّرہ میں وفات پاگئے، اور خاندان کے بڑھنے کی امیدیں خاک میں مل گئیں إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُون۔

(نقش حیات: 1/ 87 تا 90، دارالاشاعت کراچی)

تعمیر مکان میں سنتِ نبوی ﷺ کی اتباع:

جب مالک مکان نے حضرت مدنی رحمہ اللہ کے گھر والوں سے مکان خالی کرایا تو سب خاندان والوں نے مدینہ طیبہ سے باہر رہنے کے لیے قیام کا ارادہ کیا تو شہر سے باہر زمین کا ایک ٹکڑا خریدا، عورتوں، بچوں اور مردوں نے مل کر اس کی تعمیر میں حصہ لیا اور مل جل کر خود اینٹیں بنائیں اور گارا بنا کر چھوٹی چھوٹی کوٹھڑیاں تعمیر کیں، جن کی چھت بقول مولانا عبد الحق صاحب مدنی مرحوم کہ چارپائی پر کھڑے ہو کر سر میں لگتی، تو اس طرح رہائش میں بھی سنتِ رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت پر عمل ہوا، مولانا عبد الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ اس ابتلاء کے بعد پھر ہم نے وہ وقت بھی دیکھا کہ جب حضرت مدنی رحمہ اللہ اور حضرت کے بھائیوں نے مدینہ طیبہ میں حرمِ نبوی ﷺ کے قریب ایک عالی شان مکان تعمیر کرایا۔ (علماءِ ہند کا شاندار ماضی: 5/ 558، رشیدیہ کراچی)

بصارت تیز کرتی ہے حبیب اس کوچے کی مٹی　　دل وجاں خانماں سب بیچ وہ سرمہ لگانا ہے

ازواج واولاد:

حضرت مدنی رحمہ اللہ کو اپنے معاصرین میں جہاں بے شمار امتیازات وخصوصیات حاصل ہیں، تو وہیں یہ بھی ہے کہ آپ رحمہ اللہ نے کل چار نکاح کیے، پہلا نکاح موضع قتال پور ضلع اعظم گڑھ میں ہوا جن سے دو لڑکیاں ہوئیں، ایک کا تو بچپن میں ہی انتقال ہو گیا اور آپ رحمہ اللہ جب مالٹا میں اسیر ہوئے تو آپ رحمہ اللہ کا کنبہ ملکِ شام منتقل ہو گیا، وہیں پر دوسری صاحبزادی آسودہ خاک ہو گئی، آپؒ کا دوسرا نکاح قصبہ بچھرایوں ضلع مراد آباد میں ہوا، ان سے دو صاحبزادے ہوئے اخلاق احمد اور اشفاق احمد لیکن اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ پہلا آٹھ سال اور دوسرا ڈیڑھ سال کی عمر میں فوت ہو گیا اور زوجہ محترمہ کا بھی مدینہ منوّرہ میں انتقال ہو گیا، پھر آپ رحمہ اللہ نے دوسری اہلیہ کے انتقال کے بعد انہی کی چھوٹی بہن سے تیسرا نکاح کیا جن سے مولانا سید اسعد مدنی اور ایک صاحبزادی ہوئی پھر قیامِ سلہٹ کے زمانہ میں صاحبزادی بھی اللہ کو پیاری ہو گئی، حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمہ اللہ کی والدہ بھی 1355ھ میں دیوبند میں خالقِ حقیقی سے جاملیں، پھر اس کے بعد آپ رحمہ اللہ کی چوتھی شادی اپنے چچازاد بھائی کی منجھلی صاحبزادی سے ہوئی، جن سے حضرت مولانا سید محمد ارشد مدنی دامت برکاتہم العالیہ اور مولانا اسجد مدنی اور پانچ صاحبزادیاں ہوئیں۔

تصوف:

جب ظاہری علوم سے فراغت حاصل ہوگئی تو باطنی علوم نے دامن فکر کو گھیر لیا، تو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے اس خیال کا اظہار کیا۔ حضرت شیخ نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کی طرف راہنمائی کی تو آپ حضرت رحمہ اللہ سے بیعت ہو گئے اور روحانی کمالات کا اکتساب کیا بالآخر ان کے خلیفہ مجاز ہوئے، پھر اس کے بعد وعظ ونصیحت، ارشاد وبیعت اور تلقین سے لاکھوں افراد کی اصلاح ہوئی اور ہزاروں

تشنگانِ علم نے اپنے علم کی پیاس بجھائی اور لاکھوں نوردان سلوک آپ کے روحانی وباطنی ملکات سے فیض یاب ہوئے، 167 حضرات آپ رحمہ اللہ کی طرف سے بیعت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔

تحریکِ آزادی میں خدمات:

آپ رحمہ اللہ نے آزادیٔ ہند کے لیے تحریک ریشمی رومال، تحریکِ خلافت، اور جمعیت علماءِ ہند کے پلیٹ فارم سے قائدانہ کردار ادا کیا، حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ملی قیادت کا فریضہ سرانجام دیا اور ان کے مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچایا اور حصولِ آزادی کے لیے چار بار پابندِ سلاسل ہوئے، اور تقریباً ساڑھے سات سال اسیر فرنگ رہے، آپ رحمہ اللہ نے آزادی کے لیے جہاں بے پناہ قربانیاں دیں اور کوششیں کیں ان سب میں آپ کی بنیادی فکر اور کوشش یہ رہی کہ آپس کے اختلافات نہ ہوں، ملک کے اس جاندار اور وفادار سپاہی نے جب سے حصولِ آزادی کے لیے جدوجہد کی زمام کو تھاما تب ہی سے ملک میں بسنے والے تمام طبقات اور جماعتوں کے مابین اختلاف، تشدد اور تفریق و امتیاز کو ختم کرنے کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے، اور ہر اعتبار سے تمام مذاہب کے ماننے والوں کو جمہوریت، اتحاد و یکجہتی کا ایسا درس دیا جو نا قابلِ فراموش ہے اور پورے عالم سے مخفی بھی نہیں، نیز تمام ہندوستان کے باسیوں کے سامنے اپنی اس فکر کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہوئے کہا:

ہندوستان کبھی بھی ملکی اور سیاسی معاملات میں ہندو مسلم تفریق و امتیاز کا قائل نہیں ہوا ہے، اس کی حکومتیں خواہ مسلم حکمرانوں کے زیرِ اثر رہی ہوں یا ہندو فرمانرواؤں کے زیرِ نگیں، کبھی بھی افتراق و امتیاز سے آشنا نہیں ہو سکیں، آپ رحمہ اللہ کی یہ جمہوری فکر یہیں پر تمام نہیں ہوئی، بلکہ تحریکِ آزادی کی جدوجہد کو جمہوری رنگ وروغن سے آشنا کرنے کے لیے 1945ء میں سہارنپور کی سرزمین سے تمام طبقات کو اخوت واتحاد اور جمہوریت کا درس ان الفاظ میں دیا:

میرے محترم! وطن اور ابنائے وطن کی بربادی اور اس کے اسباب کسی خاص مذہب، یا خاص برادری، کسی شخص تک محدود نہیں ہو سکتے، وطن اور ملک کی بربادی جملہ ساکنینِ ملک کو برباد کرے گی اور کر رہی ہے، ناؤ (کشتی) ڈوبتی ہے تو اس کے تمام سوار ڈوبتے ہیں، گاؤں میں آگ لگتی ہے تو سارے گھر جلتے ہے، اسی طرح یہ غلامی اور محکومیت جملہ اہلِ وطن کو موت کے گھاٹ اتار رہی ہے۔ کیا اس میں صرف ہندو مرے یا فقط مسلمان مرے؟ نہیں سبھوں کی بربادی ہوئی، ایسے وقت میں ہر ادنیٰ سمجھ والا اپنے داخلی اور خارجی جھگڑوں کو چھوڑ کر ضروری سمجھتا ہوں کہ مصیبتِ عامہ کو سب سے پہلے زائل کر دینا چاہیے، جب تک یہ مصیبت نہ ٹل جائے۔

(حیاتِ شیخ الاسلام: 117، مؤلفہ حضرت مولانا محمد میاں)

حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی سوانح میں موجود آج بھی یہ سبق ہمارے لیے خضرِ طریق کی حیثیت رکھتا ہے کہ (وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ) یہ آیت صاف بتلا رہی ہے کہ مسلمانانِ ہند کے لیے اتحاد ضروری ہے کیونکہ فوج جس کے ذریعہ ہم دشمنوں سے لڑ سکتے ہیں اور اس کے پتھریلے دماغ کو پگھلا سکتے ہیں وہ اہلِ ہند کے لیے ظاہری حیثیت سے اتحادِ ہندو مسلم ہے، اس لیے یہ اتحاد اور قومی یکجہتی مذہبی حیثیت سے جائز ہی نہیں بلکہ ضروری بھی ہو گا۔

مدینہ منوّرہ میں سیاسی ذمہ داری:

حضرت مدنی رحمہ اللہ اسارتِ مالٹا سے تقریباً 12 سال پیشتر مدینہ منوّرہ میں اقامت گزیں رہے، تو آپ رحمہ اللہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی طرف سے ان خاص ذمہ داران میں سے تھے جو مدینہ منوّرہ میں رہ کر آزادیٔ ہند کے لیے خدمات انجام دے رہے تھے۔

ان ذمہ داریوں میں سے اہم ذمہ داری اسلامی ممالک سے رابطہ پیدا کرنا اور حجاز مقدس کو اغیار کے اثرات سے محفوظ رکھنا آپ رحمہ اللہ کی ایک سیاسی ذمہ داری تھی، چنانچہ حضرت مدنی رحمہ اللہ کے قیامِ مدینہ طیبہ کا سب سے بڑا نتیجہ یہ تھا کہ کرنل لارنس کی دل خراش اور

زہر آلود تحریک سے مدینہ طیبہ محفوظ رہا،باشندگانِ مدینہ منوّرہ آخر تک ترکوں کے وفادار رہے اور انھوں نے کرنل لارنس اور میکموہن کی دل فریب تحریک کے سامنے گردن نہیں جھکائی، آخر کار اہلِ مدینہ پر غلہ وغیرہ بند کیا گیا۔ (علماءِ ہند کا شاندار ماضی:5/570،رشیدیہ کراچی)

حضرت مدنی رحمہ اللہ کی گرفتاری:

سب سے پہلے حضرت مدنی رحمہ اللہ کو سپاہی نے طلب کیا اور انگریز کو برا کہنے کے جرم میں قید کیا گیا۔

22صفر بروز پیر1335ھ مطابق18دسمبر1916ء حضرت مدنی رحمہ اللہ گرفتار کر لیے گئے اور آپ رحمہ اللہ کو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی گرفتاری کا علم صبح کو ہوا،جب احباب ملاقات کے لیے تشریف لائے۔

حضرت مدنی رحمہ اللہ سے احباب نے کہا ہم نے رہائی کی بہت کوشش کی مگر چونکہ شریف (جو کہ ترکوں سے باغی تھا)، بہت خفاء ہے اس لیے آٹھ دس روز جیل میں رہنا ہوگا۔

حضرت مدنی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں مدینہ طیبہ سے حضرت استاذِ محترم کی خدمت کے لیے آیا ہوں،اگر حضرت کو ہندوستان کے بجائے کہیں اور بھیجا گیا تو حضرت مولانا کی خدمت میں میرا رہنا بہت ضروری ہے،جس طرح ممکن ہو مجھ کو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے پاس بھجوا دیجئے،چنانچہ ظہر کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت مدنیؒ کو بھی جدہ کا حکم ہوا ہے اور پھر اگلے روز خچر پر سوار کرا کر جدہ روانہ کر دیا گیا۔

(علماءِ ہند کا شاندار ماضی:5/245،رشیدیہ کراچی)

جدہ میں قیام:

اور زمانہ اسارت کے احوال حضرت رحمہ اللہ کی زبانی ملاحظہ فرمائیں

”تقریباً ایک ماہ جدہ میں رہنا ہوا، نمازِ پنجگانہ ہم مکان پر ہی پڑتے تھے،جمعہ کے روز سپاہی بہاؤالدین ہمارے ساتھ قریبی جامع مسجد جاتا تھا اور پھر ساتھ ہی واپس ہوتا تھا،بازار میں سے اگر کوئی چیز ضروری ہوتی تو اس کو اپنے ہمراہ لے جاکر خرید وا دیتا تھا،جہاز پر سوار ہونے تک ہم اسی کے زیرِ حراست رہے“

جدہ سے روانگی:

بروز جمعہ 12 جنوری 1917ء مطابق 18ربیع الاول 1335ھ جدہ سے سوئز کو خدیوی آگبوٹ پر ہم کو سوار کر دیا گیا،جہاز پر کوئی پولیس ہماری حفاظت پر نہ تھی اور کھانا گورنمنٹ کے خرچہ سے بواسطہ سپاہی بہاؤالدین اور عبدالرحیم بخش کے یہاں سے پک کر دونوں وقت آتا تھا،جہاز جدہ سے روانہ ہو کر چوتھے دن بروز منگل 16 جنوری 1917ء مطابق 22 ربیع الاول سوئز میں صبح کو پہنچا،کچھ عرصہ کے بعد ایک دستہ تقریباً اٹھارہ بیس گوروں کا سنگین بندوق لیے ہوئے پہنچا،اور ہم کو قریب کے ایک کیمپ میں جو کہ اسٹیشن کے قریب ہی تھا وہاں ایک خیمہ میں ٹھہرایا گیا اور کہا کہ کل تم مصر روانہ کیے جاؤ گے، ہم پر ہندوستانی سپاہی پہرے کے لیے مقرر کئے گئے اور ہندوستانیوں ہی سے ہمیں کھانا پکوا کر دیا گیا،صبح کو نماز کے وقت ہم کو ریل پر سوار کر دیا گیا،درجہ تھرڈ کلاس تھا اور تقریباً چودہ یا پندرہ گورے سنگین(خاص قسم کی بندوق) لگائے ہوئے ہماری حفاظت پر تھے۔

2ربیع الاول کو گاڑی قاہرہ اسٹیشن پر پہنچی، نماز کا وقت تھا تو وہیں اسٹیشن پر نماز پڑھی، نمازِ عصر کے بعد ایک موٹر لایا گیا اور سب کو جیزہ لے جایا گیا۔ (سفر نامہ اسیر مالٹا:90،طیب پبلشرز لاہور)

جیزہ میں قید تنہائی:

کوٹھڑی میں ایک طرف قضائے حاجت کے لیے بالٹی رکھی تھی، کوٹھڑی کا دروازہ لکڑی کا تھا، جس میں کوئی سوراخ بھی نہ تھا۔ کوٹھڑی میں پشت کی جانب سے ایک روشن دان بہت اونچائی سے تھا جس سے ہوا اور دن کو روشنی آتی رہتی تھی، صبح کو ایک گھنٹہ اور شام کو ایک گھنٹہ کوٹھڑی کھول کر ہواخوری کے لیے نکالتے تھے، اسی وقت بالٹی بھی صاف کرنے والے خدام لے جاتے تھے اور کمرہ میں جھاڑو لگا دیتے۔

ایک ایک صراحی ہر کمرہ میں تھی جس کی قیمت ہم کو خود ادا کرنی پڑتی تھی، خادموں کی تنخواہ جن کا کام کھانا اور پانی لانا اور جھاڑو دینا ہوتا، گورنمنٹ کی طرف سے فی کس بارہ قرش صاغ یعنی تقریبا ایک روپیہ آٹھ آنے یومیہ ہر اسیر کو ملتے تھے۔

مالٹا روانگی:

15 فروری 1917ء مطابق 23 ربیع الثانی 1335ھ کو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کو ایک ماہ بعد کماندار برٹش حاکم نے بلا کر یہ کہا: کل تم مالٹا بھیجے جاؤ گے، ضرورت کے مطابق اپنا سامان تیار کرلو اور تیار ہو جاؤ، اور ہم نے دو اشرفیاں طلب کیں اور چائے وغیرہ کا جو قرضہ تھا وہ ادا کیا اور باقی ساتھ رکھیں، صبح کے وقت 16 فروری مطابق 24 ربیع الثانی ہم سب کو گوروں کی حفاظت میں موٹر پر سوار کر کے مع سامان ریلوے اسٹیشن قاہرہ پہنچا دیا گیا اور اسی وقت تھرڈ کلاس میں ہم کو اسکندریہ پہنچا دیا گیا، تقریبا ایک بجے اسی دن اسکندریہ پہنچے اسی وقت بند موٹر لایا گیا اور اس میں بٹھا کر ہم کو اسٹیشن سے جہاز تک پہنچایا گیا اور جہاز میں سوار ہونے کا حکم دیا گیا، جہاز کے اوپر والی منزل پر ایک بڑا کمرہ تھا جس کے دونوں طرف چارپائیاں لگی ہوئی تھیں اور اس پر گدے اور کمبل رکھے ہوئے تھے اور بیچ میں ایک لمبی میز بچھی ہوئی تھی اس میں داخل کر دیا گیا۔

اس کی باہر کی کھڑکیاں جن سے ہوا اور روشنی آسکتی تھی صرف بند ہی نہیں بلکہ کیلوں کے ساتھ مضبوط تختوں سے جڑ دی گئی تھیں، اور دروازے پر تین گورے سپاہیوں کا پہرہ قائم کر دیا گیا، ہم نے جا کر ایک طرف پانچ چارپائیوں پر قبضہ کر لیا، اس طبقہ کے آخر میں ایک کمرہ تھا جس میں بیت الخلاء اور صاف پانی تھا۔ (سفر نامہ اسیر مالٹا:119، طیب پبلشرز لاہور)

جہاز میں کھانے کا انتظام:

جب شام کا وقت آیا اور ہم نے تو صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا تو حکیم نصرت حسین صاحب نے ایک افسر سے پانی اور کھانے کا تذکرہ کیا کیونکہ ہم میں سے انگریزی صرف حکیم صاحب بول سکتے تھے، اس نے کہا کہ اگر تم ہمارا پکا ہوا کھانا کھاؤ تو حاضر ہے، انہوں نے حضرت رحمہ اللہ سے پوچھ کر بتایا کہ ہم تمہارا گوشت اور سالن پکا ہوا نہیں کھا سکتے سوائے روٹی کے، تو اس نے فی کس ایک پاؤ روٹی صبح اور شام کا حکم دیا اور ساتھ چنے کی دال، گھی، آلو، گڑ، ہلدی، وغیرہ بھی مہیا کی اور باورچی کو حکم دیا کہ کھانا پکانے میں ان کے لیے کوئی رکاوٹ نہ ڈالیں، جب چاہیں یہ مطبخ میں جاسکتے ہے۔

جہاز کی روانگی:

اسی روز شام 16 فروری 1917ء مطابق 24 ربیع الثانی 1335ھ کو جہاز اسکندریہ سے روانہ ہوا اور آگے ایک جنگی جہاز کروزر اس نامی اس کے ارد گرد چکر لگاتا تھا اور اس پر ایک بڑا سائن بورڈ لگا ہوا تھا کہ اس جہاز میں زخمی اور مریض سپاہی ہیں سامانِ جنگ نہیں ہے۔

بحری سفر میں موت کا انتظار:

جب ہمارا جہاز رات کے وقت اسکندریہ کی بندرگاہ سے روانہ ہوا تو تھوڑی دیر بعد جہاز کے عملہ کی طرف سے سب کو کاگ (لائف جیکٹ) دے دی گئی اور پھر جتنے لوگ جہاز میں تھے، خواہ جہاز ران یا فوجی یا قیدی وغیرہ سب کو مختلف کشتیوں پر تقسیم کر دیا اور سب کے نمبر اور جگہ بتادی اور ہر جہاز کے دائیں اور بائیں چھوٹی چھوٹی کشتیاں بندھی رہتی ہیں کہ اگر ضرورت یا جہاز کے ڈوبنے کا خطرہ ہو تو لوگوں کے لیے کھول دی جائیں تاکہ اس کے ذریعے خشکی اور کنارے تک جا سکیں اور بتادیا گیا کہ جیسے سیٹی کی آواز آئے تو ہر ایک بلا تاخیر اپنی اپنی کشتیوں پر پہنچ جائے۔

تو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے اپنے وہ تبرکات جو ان کے پاس تھے سب میں تقسیم کر دیے، حضرت رحمہ اللہ کے پاس قطب العالم حضرت حاجی امداداللہ صاحب، حضرت نانوتوی صاحب، حضرت رشید احمد گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ علیہم کے ناخن اور بال تھے، اور کاتب الحروف (حضرت مدنی رحمہ اللہ) کو حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی روئی کی وہ کمری عنایت فرمائی جو بوقت وصال جسم مبارک پر تھی مالٹا پہنچنے کے بعد سب نے تبرکات واپس کر دیے لیکن میں نے حضرت کی اجازت سے اپنے پاس محفوظ رکھے۔ الحاصل تمام لوگ عموماً اور ہم خصوصاً موت کے لیے تیار تھے۔

مالٹا پہنچنا:

آگبوٹ جمعرات کی شام کو روانہ ہوا اور پیر کی صبح کو تقریباً 10 بجے 21 فروری 1917ء مطابق 29 ربیع الثانی 1335ھ مالٹا بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا مگر چار بجے تک نہیں اتارا گیا، اس کے بعد اس ترتیب سے اتارا گیا کہ سب سے پہلے ترک آفیسر اور سپاہی (یہ بھی قیدی تھے) اس کے بعد ہمیں اترنے کو کہا، ترک آفیسروں نے اپنے سپاہیوں کے واسطے سے ہمارا سامان اتروایا، حضرت رحمہ اللہ کو انگریز افسر جو اتارنے آیا تھا اپنے ساتھ یکے پر بٹھا کر لے گیا باقی ہم چاروں اور جملہ سپاہی پیدل کیمپ تک گئے، حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ چونکہ ہم سے پہلے پہنچ گئے تھے اس لیے حضرتؒ کو ہم سے پہلے داخل کر دیا گیا۔

راستہ میں لڑکے اور عورتیں ہماری اسارت پر خوشیاں منا رہے تھے، مذاق اڑاتے تھے کیونکہ سب کے سب عیسائی تھے، اس لیے ان کو مسلمانوں کے قید ہونے پر خوشی ہوتی تھی اور غالباً اسی وجہ سے ہمارے آگبوٹ کو روکا گیا اور شام کے وقت ہم اتارے گئے تاکہ اہل شہر کو خبر ہو جائے اور دیکھنے کے لیے راستے میں آجائیں جس سے ان کے دلوں میں انگریزی حکومت کا دبدبہ اور خوف اور مسلمانوں اور ان کے متفق ملکوں کا ضعف ظاہر ہو، مصر میں بھی اس قسم کا معاملہ ہوتا تھا، جب کبھی اس قسم کا معاملہ ہوتا تو مجھے حضرت حاجی امداداللہ صاحب رحمہ اللہ کا یہ شعر یاد آتا۔

ؔ میرا اک کھیل خلقت نے بنایا تماشے کو بھی تو نہ آیا

(سفرنامہ اسیر مالٹا: 119 تا 126، طیب پبلشرز لاہور)

مالٹا کی جیل:

ایک بڑا قلعہ جو پرانے زمانہ میں ایک پہاڑ کھود کر بنایا گیا ہے اور اس کی دیواریں اور خندقیں وغیرہ نہایت مستحکم (مضبوط) ہیں، اس کے علاوہ وسیع میدانوں میں مختلف عمارتیں بھی پر تکلف اور آرام دہ بنی ہوئی ہیں، یہ قلعہ اصل میں فوج اور افسروں کے رہنے کے لیے بنایا گیا تھا اور جنگی ہتھیار بھی اس میں محفوظ تھے، ہر وقت ایک بڑی مقدار سپاہیوں اور افسروں کی رہتی تھی، ایام جنگ میں جب خوفناک قیدیوں کے لیے

نہایت محفوظ مقام کی ضرورت ہوئی تو اس وقت قلعہ کو خالی کرایا گیا تھا، اس میں خاردار تاروں کے ذریعے سے چند حصے کر لیے گئے اور ہر حصے کے لیے ضروریات مہیا کر دی گئیں۔ نام وغیرہ بھی تجویز کر دیے مثلاروگیٹ کیمپ، بلغار کیمپ، عرب کیمپ اس کے علاوہ اور بھی تھے، عرب کیمپ میں مسلمان سویلین اور فوجی رکھے جاتے تھے۔

دکانیں:

دال فرشتہ، درداله براکس میں دو بڑی دوکانیں تھیں جن کو آرڈر تھا کہ اشیائے ضروریہ شہر سے لاکر مہیا کریں، ان میں ایک سبزی فروش کی دکان تھی جو موسمی سبزی اور فروٹ لانے کا ذمہ دار تھا، یہ دکانیں جرمن لوگوں نے شرکت پر کھولی تھیں۔

شعبہ نگرانی:

ان کیمپوں کے درمیان ایک آفس تھا جس میں کماندار ایک فوجی افسر تھا اس کے زیرِ اثر ایک دو میجر اور کپتان رہتے تھے، جو کہ قیدیوں کے معاملات کی نگرانی اور خبر گیری کرتے تھے، روزانہ ایک افسر سینٹ کلیمت اور درد آلہ میں چند گھنٹے بیٹھتا تھا جو قیدیوں کی ضروریات پر نظر ڈالتا تھا اور پھر اس کے متعلق کیمپوں میں گشت بھی کرتا تھا، اگر کسی کو اس سے یا بڑے افسر سے کچھ کہنا ہوتا تو ایک دن پہلے عرضی پیش کرنی ہوتی تھی کہ مجھ کو آپ سے کچھ کہنا ہے، اگلے دن اس کو بلالیا جاتا اور اس کی ضروریات کے متعلق مناسب انتظام کیا جاتا تھا۔

شفاءخانہ:

اس پورے جیل میں قیدیوں سے متعلق دو ہسپتال بھی تھے، ایک چھوٹا ہسپتال جو بڑے کیمپ سینٹ کلیمت میں تھا جس میں روزانہ ڈاکٹر آکر بیٹھتا تھا اور مریضوں کو چیک کرتا تھا، معمولی مریضوں کو صرف دوائی دیتا اور اگر مرض شدید ہو یا مریض کے لیے زیادہ احتیاط کی ضرورت سمجھی گئی تو جنرل ملٹری ہسپتال بھیج دیدیتا۔

فوجی افسروں کے لیے الگ کمروں میں تمام ضرورت اور راحت کا سامان یورپین طریقہ پر موجود تھا، اور سویلین لوگوں کے لیے ایک بڑا ہال تھا سول اور فوجی سپاہی برابر رکھے جاتے تھے، ایک ہال (وارڈ) میں تقریبا چالیس بیڈ لگ سکتے تھے، مریضوں کی خبر گیری اور ان کی خدمت میں انسانی ہمدردی سے کام لیا جاتا تھا۔

رول نمبر:

باقی قیدیوں کی طرح قافلہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے اسیروں کو بھی رول نمبر (قیدی نمبر) دیے گئے جو کہ درج ذیل ہیں:

حضرت مولانا عزیر گل صاحب نمبر 2215، حضرت حسین احمد مدنی صاحب نمبر 2216، وحید احمد صاحب نمبر 2218، حضرت شیخ الہند نمبر 2219، حکیم نصرت حسین صاحب نمبر 2221 رحمۃ اللہ علیہم۔

اسارت گاہ:

درداله کیمپ میں چند کوٹھڑیاں تھیں ایک میں تقریبا دو چارپائیاں آسکتی تھیں، ان میں قید کر کے دروازہ بند کر دیتے تھے چارپائی سونے کے لیے نہیں ملتی تھی صرف کمبل ملتا تھا اور رات کو قضائے حاجت وہیں بالٹی میں کرنا ہوتا تھا، دن کے وقت صرف بقدرِ ضرورت درد آلہ کے بیت الخلاء میں لیجاتے تھے اور سپاہی ساتھ جاتا تھا۔ (سفر نامہ اسیر مالٹا: 127، طیب پبلشرز لاہور)

مالٹا جیل میں داخلہ:

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ افسر کے ساتھ یکے پر سوار ہوکر آگے آگے چلے گئے اور ہم (حضرت مدنی رحمہ اللہ اور دوسرے رفقاء)پیدل سپاہیوں کے ساتھ آئے روگیٹ کیمپ میں پہلے سے خبر دیدی گئی تھی جس دن آگبوٹ اسکندریہ سے روانہ ہوا تھا، آفس نے روگیٹ کیمپ میں انتظام کیا الغرض دو خیمے نصب کیے گئے تھے اور لکڑی کے تختہ کی پانچ چارپائیاں ان پر گدے اور جملہ ضروریات مہیا تھیں۔

حضرت رحمہ اللہ مغرب کے قریب پہنچے تھے اور آپ رحمہ اللہ کو ہم سے پہلے داخل کر دیا گیا اور آپ نے آتے ہی وضوء کرکے مغرب کی نماز اداء کی اتنے میں ہم سب پہنچ گئے اور پھر ہم نے بھی نماز اداء کی، چائے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد سامان درست کیا اور پھر عشاء کے بعد سونے کی تیاری کی، اس دن تھوڑی تھوڑی بارش ہو رہی تھی ٹھنڈی اور سرد ہوائیں چل رہی تھیں، ایک خیمے میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ اور مولانا عزیر گل صاحب اور کاتب الحروف (حضرت مدنی رحمہ اللہ) کی چارپائی رکھی گئی اور دوسرے میں حکیم صاحب اور وحید صاحب کی چارپائی رکھی گئی رحمۃ اللہ علیہم۔

صبح کے وقت ساروں کو آفس میں بلایا گیا تو خیال ہوکہ اظہار مثل مصر کے ہوگا مگر وہاں معمولی پتہ پوچھا گیا اور ہر ایک کو وزن بھی کیا گیا اور سب کچھ ایک رجسٹر میں درج کرکے اس کے بعد ہمیں کیمپ میں بھیج دیا۔

بنا لیتا ہے موجِ خونِ دل سے اک چمن اپنا وہ پابندِ قفس جو فطرتاً آزاد ہوتا ہے

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی مالٹا میں مشغولیت:

مجھ کو طالب علمی زمانہ سے شوق تھا کہ قرآن کریم حفظ کروں مگر بد قسمتی سے کبھی ایسا فارغ وقت نہ ملا تھا کہ اس مراد کے حصول کی کوئی صورت ہوتی، مدینہ منورہ میں بڑی مشکل سے سورۃ البقرۃ اور سورۃ آلِ عمران کئی دفعہ یاد کی مگر بھول گیا، جب طائف پہنچا تو اس کو پھر دہرایا اور سورۃ النّساء، سورۃ المائدۃ، اور سورۃ الانعام یاد کرلیں مگر جب مکہ معظمہ آنا ہوا تو پھر بھول گیا، کثرتِ اشتغال نے مہلت نہ دی کہ آگے بڑھتا یا ان کو یاد رکھتا، مالٹا آکر پھر دوبارہ حفظ قرآن کریم شروع کیا چند دن تو وہاں کے انتظامات میں مصروف رہا اس کے بعد نصف جمادی الاول سے اواخر شعبان تک پندرہ پارے یاد ہوگئے چونکہ فارغ وقت صرف ظہر کے بعد دو ڈھائی گھنٹے یا اس سے بھی کم ملتا تھا اس لئے زیادہ نہ ہوسکا، اس رمضان میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نوافل میں سنانا چاہیے، چنانچہ ہر رات تراویح کے بعد جو کہ چھوٹی سورتوں کی ہوتی تھی نفلوں میں سناتا تھا، رمضان المبارک کے بعد پھر آگے یاد کرنا شروع کیا، مگر ان دنوں میں مدینہ منوّرہ کے واقعات اور والد مرحوم کی خبرِ وحشت اور جملہ خاندان والوں کے غم ناک واقعات نے بہت تشویش پیدا کی، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے صفر کے مہینے تک قرآن کریم مکمل ہوگیا اور پھر روزانہ دور کرکے محفوظ رکھا اور رمضان المبارک میں حضرت رحمہ اللہ نے سن بھی لیا۔

قرآن کریم حفظ کرنے کے بعد مجھ کو بھی ترکی زبان سیکھنے کا شوق پیدا ہوا کیونکہ یہ بھی ایک دیرینہ آرزو تھی، آہستہ آہستہ اس میں بھی سمجھ آنا شروع ہوگیا، قید ہونے کے زمانہ سے میری تین آرزوئیں تھیں، ترکی زبان سیکھنا، قرآنِ کریم حفظ کرنا، باطنی اشتغال میں ترقی کرنا، اللہ کے فضل وکرم سے پہلے دو تو ایک درجہ تک حاصل ہوگئی اور تیسرے مقصد میں باوجود صحبتِ شیخ کامل اور فراغتِ وقت اپنی بدنصیبی سے ناکام رہا۔

(سفر نامہ اسیر مالٹا:192، راشد کمپنی دیوبند ضلع سہارنپور یوپی)

اسارتِ مالٹا سے رہائی:

مالٹا جیل کے اصولوں میں سے ایک اصول یہ تھا کہ جب کسی قیدی کو رہا کیا جاتا تو اس کو آٹھ دس دن پہلے اطلاع دی جاتی تاکہ تیاری کرلیں اور پھر جب وہ دن آجاتا تو روانگی کا حکم دے دیتے، اسی طرح قافلہ شیخ الہند کو بھی اطلاع دی گئی اور سب تیار ہوگئے مگر آٹھویں دن خبر ملی کہ اس آگبوٹ میں بیماری ہے، اس وجہ سے دوسرے آگبوٹ کا انتظار کرنا ہوگا تقریبا دس پندرہ دن کے بعد 22جمادی الثانی 1338ھ مطابق 12 مارچ 1920ء بروز جمعہ دن دس بجے سب وہاں سے روانہ ہوکر جہاز پر سوار ہوگئے اور سیکنڈ کلاس میں کمرے دیے گئے، اور چونکہ وہ جہاز جنگ کی مہمات کے لیے تھا اس وجہ سے اس میں کاروبار کرنے والے عموما افغانی پٹھان تھے اور ان حضرات کے کھانے کا انتظام انہی کے سپرد کیا گیا، چونکہ مولانا عزیر گلؒ اس صوبہ کے پیر تھے حضرت گل صاحبؒ سے ان لوگوں پشتوں زبان میں بات چیت ہوئی تو وہ افغانی ان کے شیدائی ہوگئے، انہوں نے نہایت اخلاص کے ساتھ کھانے پینے کا انتظام کیا، افسروں کی ان افغانیوں کو سخت تاکید تھی کہ ان میں سے نہ کوئی ہمارے ساتھ بیٹھے اور نہ بات چیت کرے، صرف اور صرف کھانا پیش کرے کیونکہ ان کو خوف تھا کہ یہ سیاسی لوگ ہیں کہیں ان کو ہم خیال نہ بنالیں۔

25جمادی الثانی 1338ھ مطابق 15مارچ 1920ء کو صبح کے وقت یہ جہاز اسکندریہ لنگر انداز ہوا وہاں جہاز میں انتظار ہوتا رہا اور شام کے قریب کچھ سپاہی اور افسر آئے اور سب ان کے ساتھ روانہ ہوگئے، ان لوگوں کے ساتھ جانے میں بہت دقت ہوئی اور سب کو ٹرین میں سوار کرکے گوروں کے فوجی کیمپ میں لے گئے اور وہاں پر مجرم سپاہیوں کی قید کا جو کیمپ تھا اس میں داخل کردیا اور اسی طرح سخت پہرہ کردیا، اور صبح کو ایک افسر آیا اور سیدی بشر جو کہ مصر میں ایک قیدیوں کی قرار گاہ تھی، وہاں بھجوادیا۔ سامان تو گاڑی پر بھیج دیا اور باقی سب پیدل روانہ کردیئے گئے جگہ نہایت دور تھی، آخر کار 26جمادی الثانی 1 بجے وہاں پہنچے، اسی وقت قرار گاہ کے کیمپ داخل کردیا گیا اور داخل کرتے وقت سب کی تلاشی لی گئی، مولانا عزیر صاحب غفلت کی حالت میں آئے تھے ان کے پاس (27) پاونڈ تھے ان کو لے لیا گیا اور رسید دے دی گئی۔

سیدی بشر سے سوئز کو روانگی:

اٹھارہ روز اسی طرح گزرے 13رجب 1338ھ مطابق 2 اپریل 1920ء سنگینیوں (نوک دار ہتھیار جو لڑائی کے وقت بندوق پر چڑھایا جاتا ہے، فیروز اللغات) کی نگرانی میں اسٹیشن پہنچائے گئے، فرسٹ کلاس میں سفر کرکے شام کے قریب سوئس پہنچے پھر قیدی کیمپ میں قید ہوگئے، وہاں پر آبادی سے دور اسارت گاہ تھی اس میں پہرہ ہندوستانی سپاہیوں کا تھا، مغرب کے بعد وہاں داخل ہوگئے اور خیمے دیے گئے جن میں رہنا شروع کیا۔

سوئز سے بمبئی کو روانگی:

پانچویں رمضان المبارک 1338ھ مطابق 22مئی 1920ء بروز اتوار دن دس بجے کیمپ سے روانہ ہوکر جہاز پر سوار ہوگئے فرسٹ کلاس میں کمرہ دیا گیا اسی روز شام کو جہاز روانہ ہوگیا، 12 رمضان کو بروز اتوار جہاز عدن پہنچا اور 20 رمضان المبارک کو سوموار کے دن بمبئی پہنچا ہوا، بمبئی پہنچنے پر پورے قافلے کو معلوم ہوا کہ اب ہم بالکل آزاد ہیں۔ بمبئی جہاز پہنچنے پر، سی، آئی، ڈی کا انگریز مع دو تین ہندوستانی افسروں کے ملا جس میں بہاؤالدین صاحب بھی تھے، اس انگریز نے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے کہا کہ میں آپ سے الگ کمرہ میں بات کرنا چاہتا ہوں تو مولانا کمرہ میں چلے گئے اس نے کہا کہ مولانا عبدالرحیم بخش صاحب یہاں آئے ہیں۔

آپ ان سے ملے بغیر ہرگز جہاز سے نہ اتریں یہ کہہ کر وہ چلا گیا، اور انتظار کے بعد مولوی صاحب آئے، جب حضرت سے ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ موصوف گورنمنٹ کی طرف سے حضرت پر اثر ڈالنے آئے ہیں ، جس کا مقصد یہ تھا کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ یہاں پہنچنے کے بعد سیاست میں دلچسپی نہ لیں، مگر حضرت رحمہ اللہ اپنے ارادوں میں کمزور نہ تھے، موصوف بھی حضرت رحمہ اللہ کی شدت عزم واستقلال سے خوب واقف تھے اس لیے وہ قوی اثر نہ ڈال سکے، انہوں نے پست لہجہ استعمال کیا اور جلسوں وغیرہ سے نفرت ضرور دلائی کہ ریل سے اترتے ہی دیوبند روانہ ہو جائیں، بمبئی میں خلافت والوں کے ہاتھ میں نہ پڑیں اور آخر میں کہا مبادا آپ پر اس ضعیف العمری میں کوئی اور بدظنی گورنمنٹ کو پیدا ہو جائے آخرکار موصوف کی ایک بھی نہ سنی گئی، خلافت کمیٹی نے استقبال کیا، انہی کے ہاں قیام وطعام کا انتظام تھا۔

؎ یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے

دیوبند کی طرف روانگی:

22اور23 رمضان مطابق 8 اور9 جون قیام فرماکر جمعرات کی شام کو 24 رمضان المبارک مطابق 10جون 1920ء کی شب ایکسپریس پر روانہ ہو کر 25رمضان 11جون کو صبح دہلی اترے، ڈاکٹر انصاری رحمہ اللہ کی کوٹھی پر قیام فرمایا اور اتوار کی رات کو روانہ ہو کر 26 رمضان کو صبح 9 بجے دیوبند کی سرزمین پر اترے۔ (سفرنامہ اسیر مالٹا:204،طیب پبلشرز لاہور)

اسارت کے بعد اشتغال:

اسارت مالٹا سے واپسی پر امروہہ کے مدرسہ جامع مسجد میں تدریسی فرائض انجام دینے لگے، پھر حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی خواہش پر کلکتہ روانہ ہوگئے، مقدمہ کراچی تک وہیں پر تدریس میں مشغول رہے، پھر گرفتاری کی وجہ سے یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔

؎ کیا لوگ تھے جو راہِ وفا سے گزر گئے جی چاہتا ہے نقشِ قدم چومتے چلیں

تحریک ترکِ موالات:

(یکم نومبر 1921ء)

انگریز اگرچہ اپنے ملک کے لیے لاکھ مرتبہ محب وطن ہوگا، مگر اس کی تاریخ ممالک اسلامیہ میں مکاریوں اور دسیسہ کاریوں سے پر ہے، مثلاً خلافتِ عثمانیہ کے ٹکڑے کرنا، عراق اور شام میں ریشہ دوانیاں اور پھر ترکوں اور عربوں کو ایک دوسرے سے لڑانا اسی طرح پورے عالم اسلام شیعہ وسنی فسادات، دیوبندی بریلوی اور اہلِ حدیث ان کو آپس میں معمولی مسائل کی بنیاد پر ایک دوسرے سے لڑانا وغیرہ وغیرہ، البتہ گوروں کی یہ عالمی سازشیں ایسی خطرناک تھیں کہ جن کی وجہ سے ہندوستانی زعماء اور علماء خون کے آنسوں روتے تھے اور خصوصاً یہ بات حد درجہ المناک تھی کہ مسلمان فوجی اٹھارہ روپے پر بھرتی کیے جاتے تھے تاکہ وہ اسلامی ممالک میں جاکر مسلمانوں پر ہی گولیاں چلائیں، اس پر علماءِ کرام نے ترکِ موالات کا فتویٰ تیار کیا، جس میں انگریز حکومت سے ہر طرح کا بائیکاٹ تھا حتی کہ مسلمانوں سے یہ کہا گیا تھا کہ حکومت کے کسی بھی شعبہ میں کام کرنا خصوصا پولیس اور فوج میں بھرتی ہونا حرام ہے، وکالت کرنا حرام ہے وغیرہ وغیرہ، اس پر حکومتِ برطانیہ کا ناراض ہونا برحق تھا، اور ملک میں جگہ جگہ جلسے ہوئے اور قرارداد کی صورت میں یہ فتویٰ پیش ہو کر پاس ہوتا رہا، اور یہی فتویٰ لاکھوں کی تعداد میں چھپوا کر ملک کے بڑے اور چھوٹے جلسوں میں پہنچایا گیا، مسلمان فوجیوں کو بذریعہ ڈاک بھیجا گیا۔

تحریک ترکِ موالات میں ہندوؤں نے بھی مسلمانوں کا ساتھ دیا، یہاں تک کہ ہندو لیڈروں نے کہا کہ کعبہ پر گولی چلانا "کاشی" (جو کہ ہندوؤں کا مقدس مقام ہے) پر گولی چلانے کے مترادف ہے، اس سلسلہ کا ایک جلسہ کراچی میں ہوا جس میں مولانا محمد علی جوہر اور شیخ الاسلام حضرت مولا سید حسین احمد مدنی اور بھی بہت سے علماءِ کرام رحمہم اللہ نے شرکت کی، جس کی وجہ سے ان حضرات پر خالق دینا ہال کراچی میں مقدمہ چلا، جو کہ مقدمہ کراچی کے نام سے مشہور ہوا، سٹی مجسٹریٹ نے اس مقدمہ کی سماعت کی، اس مقدمہ میں تقریباً 25 سرکاری گواہ پیش ہوئے اور 89 دستاویزی ثبوت پیش کیے گئے، یکم نومبر 1921 کو جوڈیشنل کمشنر سندھ نے اس مقدمہ کا فیصلہ کرتے ہوئے مولانا محمد علی جوہر کو دفعہ 505 تعزیراتِ ہند کا مجرم قرار دیا اور دو سال قید بامشقت کی سزا سنائی۔

خالق دینا ہال میں تمام علماء کے بیانات ہوئے، لیکن مولانا محمد علی جوہر اور حضرت مدنی رحمہما اللہ کے بیانات تاریخِ آزادی میں اپنی مثال آپ ہیں، اور یہ دونوں حضرات جیل میں بغیر کسی وکیل کے باہمی تعاون سے اپنے مقدمہ کی تیاری خود کرتے رہے، حضرت مدنی رحمہ اللہ نے اگرچہ انگریزی نہیں پڑی تھی لیکن عربی، فارسی، اردو میں جہاں تک رسائی تھی اس کی بدولت حضرت مدنی رحمہ اللہ نے انگریز اور اس کی سیاست کا باریک بینی سے مطالعہ کیا تھا۔

حضرت مدنی رحمہ اللہ کا جج کے سامنے بیان:

اپنے مشفق استاد و مربی شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ مالٹا میں طویل ایام اسیری گزارنے کے بعد ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھے ہوئے تھوڑی ہی مدت گزری تھی کہ پھر شیخ الاسلام کو پیغامِ اسیری آ پہنچا، اور یہ سلسلہ آزادی ہند تک کسی نہ کسی شکل میں جاری رہا۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مقدمہ کراچی میں اپنا بیان بہت ہی دلیرانہ اور جرأت مندانہ انداز میں جج کے روبرو ریکارڈ کرایا، آپ رحمہ اللہ کا مکمل بیان مقدمہ کراچی نامی کتاب میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، حضرت مدنی رحمہ اللہ نے جابجا قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ کو بھی اپنے استدلال میں پیش فرمایا۔

☆مسلمان فوجیوں کا مسلمانوں کو قتل کرنا، ان کے قتل میں مدد دینا، ان پر ہتھیار اٹھانا، ان کا مال لوٹنا، ان کی بے عزتی کرنا، ان کو تکلیف پہنچانا، ان کے دشمنوں کی مدد کرنا، ان کے حلیفوں کو قتل کرنا وغیرہ وغیرہ سب حرام ہیں، اس لیے برطانوی فوج کی یہ نوکری حرام ہوگی۔

☆حضرت رحمہ اللہ نے مزید فرمایا: ایسی بہت سی آیات اور احادیث ہیں، جن میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کے خلاف، کوئی حاکم، کوئی بادشاہ، والدین، یا کوئی اور بڑا تم سے اپنی اطاعت چاہے تو اس کو ٹھکرا دو اور فقط اللہ سے ڈرو اور اس کے ہی احکام کی تابعداری کرو، ہند کے اجلاس میں جب ترکِ موالات کا فتوی پاس ہوا اور باعتبارِ مذہب فتویٰ پر دستخط کرنا ضروری تھا، تو دیگر علماء کی طرح میں نے بھی مذہبی رائے کی بناء پر دستخط کیے ہیں، جس پر میں اور تمام علماء ہمیشہ سے متفق ہیں اگر اسی کا نام سازش ہے تو میں جب سے پیدا ہوا ہوں سازش ہی ہوں۔

☆اسلام کا حکم یہ ہے کہ مسلمان اپنے بادشاہ کے فرمان کی اطاعت احکام اسلام کے اندر رہ کر کر سکتا ہے، اگر انگریز گورنمنٹ کا منشاء مسلمانوں کی مذہبی آزادی سلب کرنے کا ہے تو صاف اعلان کیا جائے تاکہ سات کروڑ مسلمان اس بات پر غور کر لیں کہ ان کو مسلمان رہنا منظور ہے یا گورنمنٹ کی رعایا، اسی طرح بائیس کروڑ ہندو بھی غور کر لیں کہ ان کو کیا کرنا ہے؟ کیوں کہ جب مذہبی آزادی چھین لی جائے گی تو سب ختم

ہوجائیگا، اگر لارڈریڈنگ اس لیے بھیجے گئے ہیں کہ قرآن مجید کو جلادیں، حدیث شریف کو مٹادیں اور کتبِ فقہ کو برباد کردیں تو سب سے پہلے اسلام پر جان قربان کرنے والا میں ہوں۔(اس آخری جملہ پر مولانا محمد علی جوہر نے حضرت مدنی کی قدم بوسی کی رحمۃ اللہ علیہما)۔

اکبر الہ آبادی نے اس موقع پر فوج میں موجود مسلمانوں پر اس شعر سے طنز کیا۔

شیخ پر خیر بھی کرتے ہیں نمازی بھی ہیں آپ　　مددِ کفر بھی ہے رونقِ اسلام بھی

1923ء سے 1928ء تک چھ سال بنگال میں اور سلہٹ کے جامعہ اسلامیہ میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے پڑھاتے رہے۔

(اسلامی جمہوریہ پاکستان: 1 / 173 ڈاکٹر عادل خان شہید، المنہل)

1942ء میں مرادآباد کی عدالت میں اس مردِ مجاہد نے یہ بیان دیتے ہوئے فرمایا! میرا عقیدہ ہو گیا ہے کہ فرقہ واریت کی تنگ وادیوں سے نکل کر تمام ہندوستانی اور جملہ باشندگانِ کو آزاد ہونا ضروری ہے، میں نے بیرونی ممالک میں مشاہدہ کیا ہے کہ دوسرے ممالک میں ہندوستانی خواہ مسلمان ہو یا ہندو یا سکھ یا پارسی وغیرہ، ایک ہی نظرِ حقارت سے دیکھے جاتے ہیں اور سب کو نہایت ذلیل اور غلام کہا جاتا ہے۔

(حضرت مدنی ایک سیاسی مطالعہ: 97، المخزن پرنٹرز کراچی)

دارالعلوم میں تقرری:

(1346ھ 1928ء)

حضرت مولانا علامہ انورشاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کے استعفاء کے بعد حضرت مدنی رحمہ اللہ کا تقرر بعہدہ صدر مدرس دارالعلوم دیوبند میں حضرت حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ سرپرست دارالعلوم دیوبند کے مشورہ سے عمل میں آیا اور حسبِ ذیل تجویز مجلسِ شوریٰ تحریر کی گئی۔

حضرت مولانا حسین احمد کا تقرر بعہدہ صدر مدرس بمشاہرہ 150 ماہانہ مجلسِ شوریٰ کو منظور ہے، حضرت ممدوح کی اعلیٰ شخصیت اور علمی تبحر کے لحاظ سے مشاہرہ مذکورہ بالکل ناقابل ہے مگر ممدوح کے اخلاص اور دارالعلوم کے جذبات سے ہم کو توقع ہے کہ حضرت ممدوح اس کو منظور فرما کر مجلسِ شوریٰ کو شکریہ کا موقع دیں گے اور دارالعلوم کی حالت پر اپنی توجہات اور اخلاقِ بزرگانہ سے التفات فرما کر حسبۃً للہ پورے طور پر سنبھالنے کی کوشش فرمائیں گے جیسا کہ حضرت ممدوح کے استاد بزرگ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا طریقہ تھا۔　　فقط اشرف علی 20 رجب 1346ھ، 1928ء

شرائط:

چونکہ دیوبند اور اس کے اہتمام کے مزاج سے آپ رحمہ اللہ پوری طرح واقف تھے، سیاسی تقاضے اور برِصغیر کے حالات حضرت رحمہ اللہ کے سامنے تھے، اس لیے آپ رحمہ اللہ نے دارالعلوم کے اہتمام کے سامنے درج ذیل شرائط رکھیں۔

☆ سیاسی مسلک اور نظریات میں پوری طرح آزادی ہوگی اور مدرسہ کو کسی اختلاف اور اعتراض کا حق نہ ہوگا۔

☆ سیاسی سرگرمیوں اور تحریکاتِ آزادی میں شرکت پر مدرسہ کی جانب سے کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔

☆ ہر ماہ ایک ہفتہ بلا کسی رخصت اور منظوری کے سفر ہوسکے گا اور اس کی تنخواہ وضع نہ ہوگی وغیرہ وغیرہ۔

خود دیوبند کو بھی سرزمینِ ہند کے حالات کی درستگی کے لیے ایسے ہی جبلِ استقامت، جرأت مند، حاملِ شریعت، مجاہدِ آزادی وسیاست کی اشد ضرورت تھی، اہلِ دیوبند سے زیادہ حضرت رحمہ اللہ کے مزاج، طبیعت سے اور کون واقف ہوسکتا تھا، چنانچہ پورے انشراح وانبساط سے

ان شرائط کو تسلیم کر لیا گیا اور حضرت رحمہ اللہ 1928ء کو دیوبند کی مسندِ صدارت و حدیث پر جلوہ افروز ہوئے اور اس کے ساتھ وہ تمام خطرات وانتشار اور اضطراب جو وقتی طور پر پیدا ہو گیا تھا ختم ہو گیا اور موافقین اور مخالفین کو جمعیتِ خاطر حاصل ہو گئی۔

(تحفۃ المدارس: 1/ 143، تالیفات اشرفیہ ملتان)

برکات کا نزول:

حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اگر چہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے جانے سے دارالعلوم کی علمی و روحانی فضا مکدر ہو چکی تھی مگر حضرت مدنی رحمہ اللہ کی آمد پر برکات کا نزول شروع ہوا، جس کی مختصر کیفیت درج کی جاتی ہے۔

طلباء کی روز افزوں ترقی اور دینی تعلیم میں ایسا انہاک پیدا ہو گیا کہ تمام فضا دینی اور علمی انوار سے منور ہو گئی، اساتذہ میں ہم آہنگی اور اتفاق نے ساری کمی دور کر دی، بلکہ ایک لحاظ سے پہلے سے زیادہ علمی رونق پیدا ہو گئی، حضرت مدنی رحمہ اللہ کی جاذب شخصیت نے طلباء کے اذہان اور قلوب کو حضرت رحمہ اللہ کا ایسا شیدا بنایا تھا کہ ہر وقت حضرت رحمہ اللہ کی قیام گاہ پر طلباء کا ہجوم رہتا، دورہ حدیث کے طلباء خصوصاً حضرت رحمہ اللہ کے سبق میں والہانہ پہنچتے، حالانکہ بعض دفعہ رات کو بارہ بجے سفر سے واپسی ہوتی جبکہ یہ گہری نیند کا وقت ہوتا مگر جونہی گھنٹہ بجتا طلباء دار الحدیث میں کشاں کشاں پہنچ جاتے، دورہ حدیث کے بعض اساتذہ کبھی کبھی طلباء سے شکوہ بھی کرتے کہ ہمارے اسباق میں تو تم دن میں بھی نہیں آتے مگر حضرت مدنی رحمہ اللہ کے سبق میں رات میں بھی دوڑے جاتے ہو، یہ حضرت مدنی رحمہ اللہ کی جاذب شخصیت تھی اور اس کی ایک وجہ طلباء پر شفقت بھی تھی۔

(تحفۃ المدارس: 1/ 144، تالیفات اشرفیہ ملتان)

خوش مزاجی:

جس دن حضرت مدنی رحمہ اللہ کا قیام دارالعلوم میں ہوتا، نمازِ عصر کے بعد تمام جلیل القدر اساتذہ کرام خصوصاً حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب اور حضرت مولانا محمد عبد السمیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جن کو حضرت مدنی رحمہ اللہ استاد کہتے) حضرت رحمہ اللہ کے خانقاہ کے صحن میں رونق افروز ہو جاتے اور دل لگی کی ایسی محفل جم جاتی جس سے اساتذہ کرام کی محبت کا عجیب نقشہ پیدا ہو جاتا، اساتذہ کا ایسی مجالس میں بیٹھنا صرف وقتی تفریح نہیں ہوتی بلکہ اس سے کسی بھی ادارہ کے نظم و نسق پر بہت ہی اچھا اثر پڑتا ہے۔

وہ منظر دیدنی ہوتا جب حضرت رحمہ اللہ خود یا ان کے اشارہ سے بعض اساتذہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب یا مولانا عبد السمیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جیب سے پیسے نکالنے کی کوشش کرتے اور ان کی روک تھام کے باوجود یہ کامیاب ہوتے اور فوراً بازار سے بالو شاہی منگوائی جاتی اور طلباء، اساتذہ اور دیگر حاضرین میں تقسیم کی جاتی، حضرت مدنی رحمہ اللہ مولانا اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ سے فرماتے کہ آپ اپنی عینک مجھے بھی عنایت فرمادیں تاکہ مجھ سے طلباء اس طرح ڈریں جس طرح آپ سے ڈرتے ہیں، اسی طرح مولانا ابراہیم صاحب رحمہ اللہ کی زیر نگرانی جماعت کا نتیجہ اچھا نہ نکلا تو حضرت مدنی رحمہ اللہ فرمایا کہ آپ تو امام المعقولات ہیں، پھر آپ کی جماعت کیوں فیل ہو گئی، آپؒ نے فرمایا کہ امام المعقولات میں ہوں طلباء نہیں۔

(تحفۃ المدارس: 1/ 146، تالیفات اشرفیہ ملتان)

درسِ حدیث کی پر کشش شخصیت:

آپ کے تلمیذِ رشید حضرت مولانا شیخ سلیم اللہ خان صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حقیقت ہے کہ مجھے فن حدیث سے تعلق اور مناسبت حضرت مدنی رحمہ اللہ کے تلمذ کے طفیل نصیب ہوئی، حضرت رحمہ اللہ کا ترمذی شریف کا درس روزانہ دو گھنٹے اس شان سے ہوتا تھا کہ نظروں کو پھر وہ خوش گوار منظر کہیں نصیب نہیں ہوا، وہ شیخ زمانہ جس کی ملی و دینی، سیاسی و سماجی اصلاحی وانتظامی اور درسی خدمات کی کوئی حد نہ

تھی، وہ استقامت کا جبلِ اعظم تھا، مسندِ درس کو جب زینت بخشا تھا تو چہرے کی شگفتگی کے آثار نمایاں ہوتے، آپ رحمہ اللہ کی شخصیت اس قدر پرکشش اور دلربا تھی کہ دل ان کی طرف کھچے چلے جاتے تھے، سال بھر درس میں حاضری دینے والے طالب علموں کے لیے حضرت رحمہ اللہ کی ذاتِ گرامی میں پہلے دن کی طرح نیاپن اور جاذبیت ہوتی تھی، خیال آتا ہے کہ حضور ﷺ کے عاشقوں کی جب یہ شان ہے تو خود حضور ﷺ کی شان کا کیا حال ہو گا۔ (تحفۃ المدارس:1/146، تالیفاتِ اشرفیہ ملتان)

درسِ بخاری جھلکیاں:

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ مسندِ درس پر جلوہ افروز ہو کر علم کے موتی اور تحقیق کے لعل و جواہر لٹانے شروع کرتے اور مؤثر عربی لہجہ اور مترنم آواز میں یوں لب کشاں ہوتے، (وبالسند المتصل منا الی الامام الحافظ الحجۃ امیر المؤمنین فی الحدیث ابی عبداللہ الخ) ہر سبق کی ابتداء میں ہر قاری کے لیے خواہ حضرت خود ہوں یا کوئی طالب علم، اس پوری عبارت کا پڑھنا ضروری تھا، اس میں کسی قسم کی تخفیف نہ تھی، اسی طرح قاری کے لیے بھی ضروری تھا کہ سند کے آخر میں اگر صحابی کا اسمِ گرامی آئے تو رضی اللہ عنہ و عنھم پڑھے تاکہ اس دعا میں صحابی کے ساتھ اور رواۃ بھی شامل ہوں، اس کی حکمت یہ بیان فرمائی کہ اس طرح قاری رحمت و برکت کا مستحق بن جائیگا، سبق شروع کرنے سے پہلے ایک طالب علم حضرت کے دولت کدہ سے کتب کی ایک عظیم تعداد لا کر حضرت رحمہ اللہ کی مسندِ درس پر لگا دیتا تھا اور حضرت رحمہ اللہ بوقتِ ضرورت ان کتابوں سے حوالہ کے طور پر عبارت پڑھ کر سناتے۔

اسلاف کے طریقِ درس کے مطابق حضرت رحمہ اللہ کتاب شروع کرانے سے پہلے علمِ حدیث کی مبادیات، متعلقات، اور فضیلت بیان فرماتے اور حدیث کی فضیلت بیان کرتے ہوئے قرآنِ کریم کی یہ آیت قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آلِ عمران: 3،31) اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے سب سے پیارے نبی ہیں، آپ ﷺ کی ہر چال ڈھال اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے اور محبوب کی نقل بھی محبوب ہوتی ہیں، مزید یہ فرمایا کہ امتِ محمدیہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ خود اللہ تعالیٰ ان کا عاشق ہے، عاشق کو معشوق کی خطائیں قابلِ مؤاخذہ نہیں معلوم ہوتیں، اس لیے آخر میں وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ فرمایا۔ (تحفۃ المدارس: 1/147 تالیفاتِ اشرفیہ ملتان)

اظہارِ شفقت:

حضرت رحمہ اللہ ویسے تو ہر ایک کے لیے سراپائے شفقت تھے لیکن طلبہ کے لیے یہ سلسلہ اپنے انتہا کو پہنچتا، ان کے ہر جا و بے جا سوال کا جواب نہایت خندہ پیشانی سے دیتے اور سبق میں طلبہ کو مستعد رکھنے کے لیے مزاح بھی فرماتے، خاص کر جب رات کو سبق ہوتا تو وقفہ وقفہ سے درسِ مدنی قہقہہ زار بن جاتا۔

ایک مرتبہ دن کے بارہ بج گئے اور حضرت رحمہ اللہ کی تقریر جاری تھی اور طلبہ بھی پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ حضرت شیخ الہند ثانی کی طرف متوجہ تھے اور آپ رحمہ اللہ حدیث کی تشریح میں مگن تھے، گھڑی کی سوئیاں جوں جوں آگے بڑھ رہی تھیں، ایک طالقانی طالب علم کی بے چینی بھی بڑھتی جا رہی تھی اور حضرت رحمہ اللہ نے عبارت پڑھنے والے طالب کو آگے پڑھنے کا حکم دیا تو طالقانی طالب نے حضرت رحمہ اللہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "سبق بند کرو" درس گاہ میں موجود تمام طلبہ کی نگاہیں اس طالقانی کے چہرے پر جم گئیں، ایک طرف طلبہ کے

چہروں سے طالقانی کی اس گستاخی اور حد سے بڑھتی ہوئی جرأت پر ناگواری کے آثار نمایاں تھے تو دوسری طرف حضرت رحمہ اللہ کا چہرہ ہر قسم کی ناگواری سے پاک تھا، حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا سبق کیوں بند کروں؟

طالقانی کو بھی حالِ دل سنانے کا موقع مل گیا اور کہا کہ "تم صبح اچھا اچھا ناشتہ کر کے آتا ہے اور ہم صبح سے بھوکا پڑھتا ہے" طالقانی کا جواب سن شیخ کے چہرے کا رنگ بدل گیا، کتاب بند ہوگئی اور سبق ختم ہونے کا اعلان کر دیا گیا، پھر حضرت شیخ رحمہ اللہ طالقانی کو اپنے ساتھ مدنی منزل لے گئے اور اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا، اور تاکید کے ساتھ فرمایا کہ کل سے تم صبح کا ناشتہ میرے ساتھ ہی کروگے۔ (حیات و کارنامے:440)

درسِ مدنی کی چند خصوصیات:

حضرت مدنی رحمہ اللہ کے درس کی چند ایسی خصوصیات جن کی وجہ سے آپ رحمہ اللہ کا درس ان کے تلامذہ پر گہرا اثر چھوڑ جاتا۔

☆حضرت مدنی رحمہ اللہ کی ذات گرامی میں وقار اور تواضع دونوں کا اجتماع تھا، جس کی وجہ سے طلباء درس میں ہمہ تن متوجہ بھی رہتے اور یہ ہمت بھی ہوتی کہ طالب علم سوال کرنے کے لیے زبان بھی کھول سکے، حضرت رحمہ اللہ کی ہیبت تشفی طبع کے لیے مانع نہ ہوتی، حضرت رحمہ اللہ کی تواضع طالبِ دین کو ہر قسم کے سوال کرنے کو جرأت دلاتی تھی۔

☆حضرت مدنی رحمہ اللہ نے چونکہ عمر کا ابتدائی حصہ مدینہ منوّرہ میں گزارا تھا، جس کی وجہ سے عربی لہجہ اس طرح فصیح تھا کہ اس کی مثال علمائے ہند میں نہیں ملتی۔

☆حضرت رحمہ اللہ کی تقریر بہت صاف اور اس کی رفتار آہستہ ہوتی تھی، مشکل مقامات نہایت سادہ انداز میں مثالیں دے کر حل فرماتے تھے، اس لیے آپؒ کے درس سے کند ذہن طالب علم بھی اپنی استعداد کے مطابق مستفید ہوتا۔

☆آپ رحمہ اللہ جب کسی مسئلہ میں حدیث کی توجیہ بیان فرماتے اور ان توجیہات کی تعداد زیادہ ہوتی تو ان سب کو شمار کرواتے اس لیے ضبط کرنے والا اس کا اہتمام کرتا، تاکہ کوئی توجیہ درمیان میں رہنے نہ پائے.

☆سال کے شروع میں جب دورہ حدیث شریف کے اسباق شروع ہوتے تو صحیح بخاری شریف اور جامع ترمذی شریف کو شروع کرتے وقت مصنفِ کتاب تک اپنی پوری سند بیان کرتے، اور سند کے تین حصے تھے، (1) حضرت مدنی رحمہ اللہ سے شاہ محمد اسحاق رحمہ اللہ تک (2) شاہ محمد اسحاق رحمہ اللہ سے شیخ عمر بن طبرزبغدادی رحمہ اللہ تک جو اصح المطابع کے نسخہ کی ابتداء میں درج ہے (3) عمر بن طبرزر رحمہ اللہ سے امام ترمذی رحمہ اللہ تک، جو جامع ترمذی کی ابتداء میں درج ہے۔

اور پھر روزانہ سبق شروع کرنے سے پہلے خطبہ مسنونہ کے بعد، اما بعد فان اصدق الحدیث کتاب اللہ واحسن الھدیٰ ھدی سیدنا محمد ﷺ وشر الامور محدثاتھا وکل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار وبالسند المتصل منا الی الامام الحافظ الحجۃ امیر المؤمنین فی الحدیث محمد بن اسماعیل بن ابراھیم بن المغیرۃ بن بردزبۃ الجعفی البخاری رحمہ اللہ ونفعنا بعلومہ، اور جب اس کے بعد دوسری سند پڑھتے تو صرف وبہ قال کے الفاظ کا اضافہ فرماتے۔

☆حضور ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ رحمہم اللہ کے تذکرہ کے ساتھ دعائیہ کلمات کا اضافہ ضرور فرماتے، آپ رحمہ اللہ نے نقشِ حیات میں فرمایا ہے کہ میں نے اپنی عادت ہمیشہ سے یہ رکھی ہے کہ جب کسی پیغمبر کا اسمِ گرامی آئے تو علیہ و علیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام کہوں، اگر کسی صحابی کا نام اکیلا آئے تو رضی اللہ عنہ، اور اگر سند میں ساتھ کسی محدّث کا نام بھی آئے تو رضی اللہ عنہ وعنھم، اور ائمہ مذاہب اور علماء و اولیاءِ سَلَف کا نام آئے اگر ایک نام آئے تو رحمہ اللہ اور اگر چند کا نام آئے تو رحمھم اللہ کہوں، خواہ اپنے مسلک کے ہوں یا شافعی یا مالکی یا حنبلی وغیرہ، بشرطیکہ وہ اہل السنت والجماعت میں سے ہوں۔

☆حضرت رحمہ اللہ کے فیوض علمی بھی تھے، روحانی بھی، اور سیاسی بھی: علمی فیوض کا میدان درسِ حدیث، روحانی کا ذکر یعنی خانقاہ، اور سیاسی کا میدان جمعیۃ علماءِ ہند کے اجلاس اور اسفار۔

خصائص اور سیرت پر ایک نظر:

(ابو سلیمان شاہ):

اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ اسلامی زندگی کیا ہوتی ہے، تو میں پورے یقین اور قلب کے کامل اطمینان کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ حضرت حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی زندگی کو دیکھ لیجیے۔ (حضرت مدنیؒ ایک سیاسی مطالعہ:19، المخزن پرنٹر کراچی)

(سیتارام جی سوکل، نینی جیل میں):

شیخ الہند ثانی حضرت مدنی رحمہ اللہ کے ساتھ جیل میں رہ کر کام کرنے کا موقع ملا ہے، اس تجربہ سے کہہ سکتا ہوں کہ حضرت مدنی رحمہ اللہ کے دنیا سے جانے کا نہ صرف ہندوستان اور ایشیاء بلکہ پوری دنیا کو نقصان ہوا ہے، آپ رحمہ اللہ ان محبِّ وطن افراد میں سے ایک ہیں کہ جنہوں نے 1907ء سے پہلے ہی ہندوستان آزاد کرانے کی کوشش کی، پھر جب 1914ء میں پہلی جنگ ہوئی تو اس وقت آپ رحمہ اللہ مالٹا جیل میں قید کر لیے گئے۔

جیل میں بڑے بڑے لوگوں سے ملنے کا موقع ملا لیکن ان میں سے جنہوں نے میرے دل پر قبضہ کیا ایک حضرت مدنی رحمہ اللہ ہیں، 1943ء کی بات ہے ہم نینی جیل میں قید تھے اور یہ خبر آئی کہ تحریک فیل ہونے کے باوجود مہاتما گاندھی نے اپنے 9 اگست والے ریزولیشن کو واپس نہیں لیا، تو بڑے بڑے دیش بھگتوں کے چہرے اداس ہوگئے، لیکن مولانا مدنی مسکرائے کہ مہاتما جی نے ٹھیک کیا ہوگا، زیادہ سے زیادہ میری قبر جیل میں بن جائیگی، ان دنوں ہم نینی جیل کے سرکل نمبر 5 میں رہتے تھے۔

بھائی بھائی کہتے ہوئے بہت سے لوگوں سے سنا لیکن یہ برتاؤ کرتے صرف مولانا مدنی کو دیکھا ہے، کھانا پکاتے وقت باورچی، باورچی رہتا تھا، لیکن کھانے کے دسترخوان پر باورچی اور مالک برابر ہوتے، ایک پاؤ گوشت مولانا کے لیے ملتا تھا، لیکن کھانے کے وقت میں جو بھی آکر بیٹھ جائے اس کو کھانے میں ضرور حصہ مل جاتا۔

ایک روز ایک قیدی نے آکر کہا کہ میں نماز میں تھا کہ ایک قیدی نے آکر میری ایک اٹھنی چرالی، تو مولانا نے کہا کہ میں کیا کروں، میں بھی تو ایک قیدی ہوں، جب اسے زیادہ رنجیدہ دیکھا تو اس کو پاس بٹھا کر اپنی جیب سے ایک اٹھنی دے کر رخصت کیا، اس منظر کو دیکھ کر میں نے

مولانا سے کہا کہ میں اب اس بیرک میں نہ رہوں گا، کیوں کہ آپ رحمہ اللہ کے اخلاق دیکھ کر ممکن ہے کہ میں مسلمان ہو جاؤں، تو فرمایا کہ تم بہت دنوں سے مسلمان ہو تم کیا مسلمان ہو گے۔ (مولانا مدنی ایک سیاسی مطالعہ: 74/ الخزن پرنٹر کراچی)

انکساری:

(حضرت مولانا منظور نعمانی رحمہ اللہ):

ایک دفعہ حضرت رحمہ اللہ کے ضعف اور اہم مصلحتوں کے پیشِ نظر حضرت رحمہ اللہ کے بعض مخلصین نے آپ رحمہ اللہ سے درخواست کی کہ حضرت وہ سفر فرمایا کریں کہ جس کی کوئی خاص ضرورت ہو، کیونکہ ہر چھوٹے پروگرام میں لوگ آپ رحمہ اللہ کو تکلیف دیتے ہیں، آپ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں کیا کروں لوگ آجاتے ہیں اور اصرار کرتے ہیں، تو فرمایا گیا کہ ایک دو دفعہ انکار کرنے سے لوگ رک جائینگے، تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا، عرض کیا گیا کہ حضرت کی صحت اور وقت بہت قیمتی ہے، اس کو صرف ضرورت اور موقع پر صرف کرنا چاہیے، حضرت رحمہ اللہ نے خاکساری اور ڈوبے ہوئے لہجہ میں فرمایا کہ آپ لوگ کیا کہتے ہو؟ میں کیا ہوں، میری کیا اوقات ہے یہ مٹی کا جسم ہے جب تک اس میں جان ہے اس سے کام لینا چاہیے۔

عزیمت یا شدت؟

حضرت رحمہ اللہ میں جہاں خاکساری اور تواضع کا اجتماع تھا، وہیں اس کے برعکس یہ بات تھی کہ جس بات یا راستہ کو حق جان لیتے، پھر کسی کا سننا اور کہنا آپ رحمہ اللہ کو متزلزل نہیں کر سکتا تھا، کسی کی ناراضگی، رضامندی اور تحسین و ملامت یہاں تک کہ کوئی بھونچال بھی آپ رحمہ اللہ کو اس راستے سے نہیں ہٹا سکتا تھا، اس کی روشن مثال آپ رحمہ اللہ کا سیاسی مسلک اور اس سلسلہ میں آپ رحمہ اللہ کی سرگرمیاں ہیں۔

ہندوستانی سیاسیات کے بارہ میں انہوں نے ایک رویہ کو صحیح سمجھ کر اپنا لیا تھا، حضرت رحمہ اللہ کو اس راہ میں کیسے کیسے ناموافق حالات اور کتنے سخت طوفانوں کا مقابلہ کرنا پڑا، اور عزت و آبرو تک کی قربانی دینی پڑی، لیکن حضرت رحمہ اللہ کی جتنی مخالفت کی گئی دیکھنے والوں نے حضرت رحمہ اللہ کو اتنا ہی زیادہ مضبوط اور غیر متزلزل پایا، اسی سیاسی میدان میں حضرت رحمہ اللہ کے ساتھ علماء اور غیر علماء و کارکنان تھے، وہ سب جانتے ہیں کہ حضرت رحمہ اللہ جب کسی راستہ کو حق جان لیتے تو اس میں اس قدر پختہ یقین اور یکسو ہوتے، کہ دوسرے پہلوؤں کو سوچنے اور سننے کے لیے تیار نہ ہوتے۔

الحاصل اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کا تعلق آپ رحمہ اللہ کے دماغ سے زیادہ آپ رحمہ اللہ کے قلب اور روح سے ہے۔

(حضرت مدنیؒ ایک سیاسی مطالعہ: 59، الخزن پرنٹر کراچی)

سیاسی خدمات:

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ جنگِ آزادی کے وہ مجاہد اور سپہ سالار تھے جو ہمیشہ صفِ اول میں مخالفین سے دست و گریباں رہے۔ جیسے کسی شاعر نے کہا

میں انقلاب پسندوں کی اس قبیل سے ہوں — جو حق پہ ڈٹ جائے اس لشکرِ قلیل سے ہوں

میں یونہی نہیں ہوں دست و گریبان زمانے سے — میں جس جگہ پہ کھڑا ہوں کسی دلیل سے ہوں

1920ءمیں مالٹا کی قید سے ہندوستان واپسی پر حضرت رحمہ اللہ نے پھر ایک بھرپور سیاسی زندگی کا آغاز کیا،اس میں سب سے پہلے تحریکِ خلافت تھی،اس کے لیے ترکِ موالات کا جو پروگرام وضع کیا گیا تھا اسے کامیاب بنانے اور تحریکِ خلافت کے مقاصد کے حصول کے لیے آپ رحمہ اللہ نے بھرپور جدوجہد کی،سب سے پہلے 21- 1920 ءسائمن کمیشن کو بے ضرورت سمجھا اور اس کی مخالفت کی،1927ءمیں کمیونل ایوارڈ کو قومی مقاصد کے لیے نہ صرف ناکافی سمجھا بلکہ نقصان دہ تصور کیا اور اس کی مخالفت کی۔

1927 ءمیں شاردا ایکٹ کے خلاف تحریک کے رہنماؤں میں آپ رحمہ اللہ ایک بلند شخصیت تھے،1929ءمیں سول میرج کے قانون کے خلاف تحریک چلائی،اور 1932ءمیں واردھا تعلیمی سکیم پر تنقید کی اور اس میں اصلاحات کے لیے مناسب اور مثبت تجاویز پیش کیں،اسی طرح 1932ءمیں ہی اسلامی اوقاف کی حفاظت اور انہیں ان کے مصارف میں خرچ کرنے اور حکومت کے دستِ تصرف سے بچانے کی کوششوں کی راہنمائی کا شرف جمعیت علماءِ ہند اور اس کے قائد حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کو حاصل تھا۔

1937ءمیں ودیا مندرا سکیم کو اس کی طے شدہ صورت میں قبول کرنے سے انکار کیا،اور 1937ءمیں نظم جماعت کی تحریک کی راہنمائی کی،1938ءمیں اردو زبان کے بارے میں یوپی کانگریس کمیٹی اور کانگریس حکومت کے رویے کو انصاف اور کانگریس کے متفقہ پالیسی کے خلاف پایا تو انھیں فرقہ وارانہ نقطہ نظر سے باز رکھنے کی کوشش کی،1938ءمیں شریعت بل کے نفاذ کی کوششوں میں سب سے زیادہ منظم حصہ حضرت رحمہ اللہ اور آپ رحمہ اللہ کی جماعت (جمعیت علماءِ ہند) نے لیا تھا۔

1939-40ءنمک ستیہ گرہ،کھدر کے استعمال اور سدیشی مال کے بائیکاٹ کی تحریک پیدا ہوئی،1939-41ءحضرت مدنی اور جمعیت علماءِ ہند کی ملی خدمات سنہرے حروف سے لکھی جائیں گی،آخری تحریک:ہندوستان چھوڑدو کی تحریک 1942ءتھی،حضرت رحمہ اللہ نے ان تمام میں حصہ لیا اور اس سلسلہ میں آپ رحمہ اللہ کو قید وبند کی صعوبتوں اور ایثارِ وقت ومال کی آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔

ان تحریکوں میں سب سے بڑی تحریک ملک کی آزادی اور استقلالِ قومی کی تحریک تھی،اس کے بعد ریشمی رومال،پھر تحریکِ خلافت،اور اس کے بعد تحریک ترکِ موالات ہے،پھر سول نافرمانی،1940ءکے بعد آپ رحمہ اللہ کو سخت آزمائشوں سے گزرنا پڑا،خاص کر ملک کی آزادی سے تین سال قبل عوام آپ رحمہ اللہ کی جان ومال کے دشمن ہوگئے تھے،حالانکہ ہندوستان کے سیاسی مسئلہ کے حل کے لیے آپ رحمہ اللہ نے اپنا ایک نظریہ اور ایک فارمولا پیش کیا تھا،جمعیت علماءِ ہند نے جو فارمولا وزارتی مشن کے سامنے پیش کیا تھا اور جسے "مدنی فارمولا" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے،اسے مجلسِ احرارِ اسلامی،مؤمن کانفرنس،جمعیت القریش،شیعہ پولیٹیکل کانفرنس،مسلم مجلس کے علاوہ سندھ،بلوچستان،سرحد،بنگال وغیرہ کی متعدد جماعتوں کی بھی حمایت حاصل تھی۔ (سیاسی مطالعہ:29،مؤلف شاہ جہان پوری صاحب،المخزن کراچی)

الحاصل حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی یہ تمام جدوجہد ملی مفاد اور اسلامی شرعی زندگی کے قیام وتحفظ کے نقطہ نظر سے تھی۔

مدنی فارمولا:

3اگست 1931ءبمقام سہارنپور،جمعیت علماءِ ہند کے مجلسِ عاملہ میں پیش کیا گیا اور جو لوگ علماءِ دیوبند کو پاکستان بننے کے مخالف ہونے کا طعنہ دیتے ہیں،اگر وہ تعصب وعناد کی عینک اتار کر،ٹھنڈے دل ودماغ سے اس فارمولے کے مندرجات کو پڑھیں اور سمجھیں،تو یقیناوہ اپنی سابقہ رائے سے رجوع کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

1:۔ہندوستان کی مختلف ملتوں کا کلچر،زبان،رسم الخط،پیشہ،مذہبی تبلیغ،مذہبی آزادی،مذہبی عقائد،مذہبی اعمال،عبادت گاہیں آزاد ہوں گے اور حکومت ان میں کوئی مداخلت نہ کرے گی۔

2:۔ دستورِ اساسی میں اسلامی پرسنل لاء کی حفاظت کے لیے خاص دفعہ رکھی جائے گی، جس میں تصریح ہوگی کہ مجالس مقنّنہ (قانون ساز اسمبلی)اور حکومت کی جانب سے اس میں مداخلت نہ کی جائے گی (مثلا احکام نکاح ،طلاق، رجعت ،عدت،خیارِ بلوغ،ولایت نکاح وبال(اولاد)،وصیت،وقف،وراثت،تکفین وتدفین اور قربانی وغیرہ)۔

3:۔ مسلمانوں کے ایسے مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لیے، جن میں مسلمان حاکم کا فیصلہ ضروری ہے، مسلم قاضیوں کا تقرر کیا جائے گا اور ان کو اختیارات تفویض کیے جائیں گے۔

4:۔ صوبوں اور فیڈرل اسمبلی میں اقلیتوں کے سیاسی اور دیگر حقوق کی حفاظت کے متعلق شکایات سننے اور فیصلہ کرنے کے لیے، سپریم کورٹ قائم کی جائے گی، جو مختلف ملتوں کے ارکان پر مشتمل ہوگی، اس کے فیصلوں کا نفاذ فیڈرل گورنمنٹ کرے گی۔

5:۔ صوبہ سرحد(موجودہ خیبر پختونخواہ)، بلوچستان اور وہ صوبے جونئے قائم کیے جائیں، ان میں طرزِ حکومت وہی ہوگا، جو دیگر صوبوں میں قرار دیا جائے گا۔

6:۔ سندھ کو علیٰحدہ صوبہ بنادیا جائیگا اور اس کا نظم اس طرح قائم کیا جائے گا کہ اس کی آمدنی اس کے مصارف کو کافی ہو جائے۔

7:۔ حق رائے دہی تمام بالغوں کو دیا جائے گا اور کسی صورت میں کوئی ایسا طریقہ قبول نہ کیا جائے گا، جس سے کوئی ملت اپنے تناسب کے مطابق رائے دہندگی کے حق سے محروم رہ جائے۔

8:۔ طریقہ انتخاب مخلوط ہوگا۔

9:۔ پنجاب اور بنگال میں کسی ملت کے لیے ریزولیشن نہیں کیا جائے گا، اور اگر کوئی اقلیت ریزولیشن کے لیے اصرار کرے تو تمام ملتوں کی نشستیں تناسبِ آبادی کے اعتبار سے ریزولیٹ کردی جائیں گی، باقی صوبوں کی انتخابی مجالس اور فیڈرل اسمبلی میں اقلیتوں کی نشستیں تناسبِ آبادی کے مطابق ریزولیٹ کردی جائیں گی اور مزید نشستوں کے لیے مقابلہ کرنے کا بھی حق حاصل ہوگا۔

10:۔ طرزِ حکومت وفاقی ہوگا، تمام صوبے کامل خود مختار ہوں گے، فیڈرل(وفاقی) اسمبلی کو صرف وہی اختیارات دیے جائینگے، جن کا تعلق تمام ہندوستان کے ساتھ یکساں ہوگا، غیر مفوضہ اختیارات صوبوں کو حاصل ہونگے، الایہ کہ تمام صوبے بالاتفاق تسلیم کرلیں کہ غیر مفوّضہ اختیارات فیڈرل اسمبلی کو دے جائیں۔

11:۔ ملازمتوں پر تقرر ایک غیر جانب دار پبلک سروس کمیشن کی طرف سے کیا جائے گا جو استعداد کا کم از کم معیار مقرر کرکے اس کا لحاظ رکھے گا کہ اس معیار کے تحت ہر ملت اپنے تناسبِ آبادی کے موافق حصہ پانے سے محروم نہ رہے، نیز ماتحت ملازمتوں میں بھی کسی خاص فرقہ کی اجارہ داری نہ ہوگی، تمام فرقوں کو ان کا واجبی حصہ ملے گا۔

12:۔ وفاقی اور صوبائی حکومتوں کی وزارتوں میں اقلیتوں کی نمائندگی باہمی تفاہم کے ذریعہ قائم کردی جائیگی۔

13:۔ دستورِ اساسی کی بنیادی دفعات میں کوئی تغیر، ترمیم، اضافہ اس وقت تک نہ ہوسکے گا جب تک تمام وفاقی اجزاء اسے منظور نہ کریں۔

14:۔ یہ تمام دفعات ایک دوسرے کے ساتھ مرتبط ہیں، اگر ان میں سے کوئی ایک دفعہ بھی منظور نہ ہوئی تو تمام فارمولا کالعدم ہو جائیگا۔

(سیاسی مطالعہ:185، المخزن پرنٹر کراچی)

پورا ہند ہمارا پاکستان ہے:

(1942ء)لاہور اجلاس میں یہ فارمولا مزید تشریح کر کے پیش کیا گیا:

جمعت علماءِ ہند کے اجلاس لاہور 1942 کا فیصلہ اور بعد والی تشریح درج کی جاتی ہے، تاکہ ہر انصاف پسند اور معتدل مزاج لوگ یہ فیصلہ کر سکیں کہ جمعیت علماءِ ہند صرف نفی کے پہلوؤں پر عامل نہیں، بلکہ پاکستان کے مقابلہ میں ایسا حل پیش کرنا چاہتی ہے، جس میں مسلمانوں کو وہ تمام فائدے حاصل ہو سکیں جو تحریک پاکستان کے بانیان کے اذہان میں تھے۔

جمعیت علماء کا یہ اجلاس اس جمود اور تعطل کو ملک اور قوم کے لیے نہایت مضر اور ملی حیات اور ترقی کے لیے مہلک سمجھتا ہے، ہر جماعت اپنی اپنی جگہ اور تمام افراد مختلف فارمولے و تجاویز پیش اور شائع کر رہے ہیں، مجلسِ عاملہ بھی اپنی رائے لاہور اجلاس منعقدہ **1942**ء کی تجویز نمبر **4** میں ظاہر کر چکی ہے۔

الف:۔ ہمارا نصب العین کامل آزادی ہے۔

ب:۔ وطنی آزادی میں مسلمان آزاد ہوں گے، ان کا مذہب آزاد ہو گا، مسلم کلچر اور تہذیب و ثقافت آزاد ہو گی، وہ کسی ایسے آئین کو قبول نہ کریں گے جس کی بنیاد ایسی آزادی پر نہ رکھی گئی ہو۔

ج:۔ ہم ہندوستان میں صوبوں کی کامل خود مختاری اور آزادی کے حامی ہیں، غیر مصرحہ اختیارات صوبوں کے اختیار میں ہوں گے، اور مرکز کو صرف وہی اختیارات ملیں گے جو تمام صوبے متفقہ طور پر مرکز کے حوالہ کریں گے اور جن کا تعلق تمام صوبوں سے یکساں ہو۔

د:۔ ہمارے نزدیک ہندوستان کے آزاد صوبوں کا وفاق ضروری ہے، مگر ایسا وفاق اور ایسی مرکزیت جس میں اپنی مخصوص تہذیب و ثقافت کی مالک نو کروڑ نفوس پر مشتمل مسلمان قوم، کسی عددی اکثریت کے رحم و کرم پر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو، ایک لمحہ کے لیے بھی گوارانہ ہو گی، یعنی مرکزی تشکیل ایسے اصولوں پر ہونا ضروری ہے کہ مسلمان اپنی مذہبی، سیاسی اور تہذیبی آزادی کی طرف سے مطمئن ہوں۔

(تشریح)

جمعیت علماء کے خیال میں مجموعہ ہندوستان خصوصاً مسلمانوں کے لیے مفید ہے، مگر وفاقی حکومت کا قیام اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ صوبوں کے لیے حق خود ارادیت تسلیم کر لیا جائے، اور وفاق کی تشکیل اس طرح ہو کہ مرکز کی غیر مسلم اکثریت مسلمانوں کے مذہبی، سیاسی، تہذیبی حقوق پر اپنی عددی اکثریت کے بل بوتے پر تعدی نہ کر سکے، مرکز کی ایسی تشکیل جس میں اکثریت کی تعدی کا خوف نہ رہے باہمی افہام و تفہیم سے مندرجہ صورتوں میں سے کسی صورت پر یا ان کے علاوہ کسی اور ایسی تجویز پر جو مسلم اور غیر مسلم جماعتوں کے اتفاق سے طے ہو جائے ممکن ہے۔

☆ مرکز میں ایوان کے ممبروں کی تعداد کا تناسب یہ ہو: مسلم ممبران **45** فی صد، ہندو ممبران **45** فی صد، دیگر اقلیتی ممبران **10** فی صد (اور یہاں حضرت مدنیؒ کی سوچ یہ تھی کہ اقلیت کو ساتھ ملا کر مرکز میں اکثریت حاصل کر سکتے ہیں یعنی اب مسلمان **55** فی صد ہو گئے اور ہندو **45** فی صد ہی رہ گئے)۔

☆ مرکزی حکومت میں اگر کسی بل یا تجویز کو مسلم ارکان کی 2/3 اکثریت اپنے مذہب، یا اپنی سیاسی آزادی، یا اپنی تہذیب و ثقافت کے مخالف قرار دے تو وہ بل یا تجویز ایوان میں پیش یا پاس نہ ہو سکے گی۔

☆ایک ایسی سپریم کورٹ قائم کی جائے جس میں مسلم اور غیر مسلم ججوں کی تعداد مساوی ہو اور جس کے ججوں کا تقرر مسلم اور غیر مسلم صوبوں کی مساوی تعداد کے ارکان کی کمیٹی کرے، یہ سپریم کورٹ مرکز اور صوبوں کے درمیان تنازعات، یا صوبوں کی باہمی تنازعات، یا ملک اور قوم کا آخری فیصلہ کرے گی، نیز تجویز نمبر 2 کے تحت اگر اگر کسی بل کے مسلمانوں کے خلاف ہونے یا نہ ہونے میں مرکزی اکثریت مسلم ارکان کی 2/3 اکثریت کے فیصلے سے اختلاف کرے تو اس کا فیصلہ سپریم کورٹ سے کرایا جائیگا۔

☆یا کوئی اور تجویز جسے فریقین باہمی اتفاق سے طے کریں. (سیاسی مطالعہ:171،الخزن پرنٹر کراچی)

فارمولے کے فوائد:

الف:۔ اہم وزارتوں اور عہدوں کی تقسیم مساوی طور پر ہوتی۔

ب:۔ صوبہ سرحد (خیبر پختونخواہ) سندھ، بلوچستان اور کشمیر کو اگر ایک صوبہ کی حیثیت دی جاتی تو تمام صوبے بشمول کشمیر، مذہبی معاشی، تہذیبی اور تمدنی امور میں قطعاً خود مختار ہوتے۔

ج:۔ پورا صوبہ پنجاب راولپنڈی سے لے کر ضلع سہارنپور کی سرحد تک۔

د:۔ پورا صوبہ بنگال، جس کا دارالحکومت کلکتہ کا عظیم شہر ہوتا، مسلم اکثریت کے زیرِ اثر ہوتا۔

ہ:۔ صوبہ دہلی اور صوبہ آسام کی سیاست اور حکومت میں مسلمانوں کا تقریباً مساوی حصہ ہوتا، کیونکہ ان دونوں صوبوں میں مسلمان 34 – 35 فی صد تھے۔

و:۔ ہندوستان کے باقی صوبوں میں مسلمان لاوارث یتیم کی طرح نہ ہوتے، کیونکہ ملازمتوں اور اسمبلیوں میں ان کا حصہ حسبِ سابق 30 یا 33 فی صد ہوتا، اسی طرح وزارتوں میں بھی ان کی مؤثر شمولیت ہوتی، اسی طرح مذہبی اور تمام فرقہ وارانہ امور میں ان کو حق استرداد ہوتا، اور وہ ایسے مرکز کے ماتحت ہوتے، جس میں ان کی تعداد مساوی ورنہ کم از کم 33 فی صد ہوتی اور تمام فرقہ وارانہ امور کی باگ ڈور ان کے ہاتھوں میں ہوتی، کیونکہ اسمبلی، پارلیمنٹ یا کیبنٹ مسلم ممبران کی موافقت کے بغیر کوئی فیصلہ صادر نہ کر سکتی۔ (سیاسی مطالعہ:177،الخزن پرنٹر کراچی)

الغرض اس پر آشوب دور میں مسلمانوں کی اکثریت نے یا تو اس فارمولا کو سنا ہی نہیں، اور سنا تو جذبات میں اس درجہ آگے نکلے کہ سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔۔۔ بہر حال مضیٰ ما مضیٰ، اب اس داستانِ پارینہ سے کیا فائدہ؟

مگر حضرت شیخ الہند ثانیؒ کے حالات میں اس کا تذکرہ بہت ہی ضروری سمجھتا ہوں، تاکہ آنے والی نسلوں کو اندازہ ہو سکے کہ مخالفت کرنے والے کہاں تک حق پر تھے، اور حضرت مجاہدِ ملت کی سر فروشانہ جان فشانی کس مقصد کے لیے تھی۔

چند مشہور تصانیف:

نقشِ حیات 2 جلدیں (خود نوشت سوانح) سفر نامہ شیخ الہندؒ، الشہاب الثاقب، مکتوبات شیخ الاسلام، متحدہ قومیت، الخلیفة المهدی فی الأحادیث الصحیحة وغیرہ۔

وفات حسرت آیات:

آہ!کیوں کر کہے کہ فلک علم وفضل کا آفتابِ رخشندہ غروب ہوگیا،بزمِ انس و قدس کی شمع فروزاں گل ہوگئی، تقویٰ و طہارت کا لعل،شب چراغ گم ہوگیا،شریعت وطریقت کے اسرار ورموز کا محرم جاتارہا،اخلاق ومکارم اسلامی کے ایوانوں میں خاک اڑنے لگی،جوکل تک لاکھوں انسانوں کے لیے طبیبِ عیسیٰ نفس تھاخود وہ موت کی آغوش میں جاسویا،ملت بیضا کا سہارا،فرزندانِ توحید کی امیدوں کا مرجع ملک عدم ہوگیا،یعنی شیخ الاسلام حضرت مولاناسید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ 13جمادی الاولیٰ1377ھ مطابق 5 دسمبر 1957ء کو دستورِ خداوندی کے مطابق یہ آفتاب عالم تاب دیوبند کے اُفق پر غروب ہوگیا،اِنَّا لِلّٰہِ واِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

ہزاروں عقیدت مندوں نے شیخ الحدیث حضرت مولانازکریامہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی امامت میں آپ کی نمازِ جنازہ اداکی اور قاسمی قبرستان دیوبند میں تدفین عمل میں آئی.

ؔچلاجاتاہوں ہنستاکھیلتاموجِ حوادث سے اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہوجائے

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ وامدنا بامدادہ ولایحرمنا عن برکاتہ فی الدنیا والآخرۃ(آمین یارب العالمین)

تمت بتوفیق اللہ تعالیٰ

کتابیات

نمبر شمار	کتاب		مصنف	مکتبہ
1	علماءِ ہند کا شاندار ماضی		ڈاکٹر سلمان شاہ جہانپوری صاحب	رشیدیہ کراچی
2	نقشِ حیات		حضرت مدنی رحمہ اللہ	دارالاشاعت کراچی
3	حضرت مدنیؒ ایک سیاسی مطالعہ		ڈاکٹر سلمان شاہ جہانپوری صاحب	مخزن پرنٹر کراچی
4	تحفہ مدارس		مولنا اسحاق صاحب ملتانی	تالیفات اشرفیہ ملتان
5	خطبات علی میاں		مولوی رضوان میاں صاحب	دارالاشاعت کراچی
6	سفر نامہ اسیر مالٹا		حضرت مدنی رحمہ اللہ	طیب پبلشرز لاہور
7	برطانوی سامراج نے ہمیں کیسے لوٹا؟		مولانا عباس شاد صاحب	
8	حیات شیخ الاسلام		حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رحمہ اللہ	اسلامی کتب گھر دیوبند ضلع سہارنپور
9	مقالہ بنوری ٹاؤن			بینات کراچی